میرے خیال کا پیکر

کرن نعمان کے قلم سے

ناول ہی ناول پبلیشرز

انتباہ!

یہ ناول ہماری ویب ناول ہی ناول نے رائٹر کی فرمائش پر آپ سب کے لیے پیش کیا ہے۔اس ناول کا سارا کریڈٹ رائٹر کو جاتا ہے۔اس ناول میں غلطیاں بھی ممکن ہیں کیونکہ انسان خطا کا پتلا ہے تو اس ناول کی غلطیوں کی زمہ دار ویب نہیں ہو گی صرف اور صرف رائٹر ہی ہو گا ویب نے صرف اسے بہتر انداز سے سنوار کر آپ سب کے سامنے پیش کیا ہے

اس ناول کو پڑھیے اور اس پر تبصرہ کر کے رائٹر کی حوصلہ افزائی کیجیے

اپنے ناولوں کا پی ڈی ایف بنوانے کے لیے ہماری جی میل پر رابطہ کریں

Novel Hi Novel

السلامُ علیکم !

ناول ہی ناول آپ کے لیے لایا ایک سنہری موقع

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنے قلم کی آواز کو لوگوں تک پہچانا چاہتے ہیں، تو اپنی لکھی گئی کوئی بھی تحریر (حمد، نعت، ناول، افسانہ، آرٹیکل، ریسیپی، نظم، غزل، اقوال) یا جو بھی آپ کے ذہن میں ہو اور آپ لکھنا چاہتے ہیں، ہم تک پہچائیں۔ ناول ہی ناول بنے گا وہ سیڑھی جو آپ کو آپ کی پسندیدہ ویب سائیٹ تک پہنچانے کا ذریعہ بنے گا۔ اگر آپ اپنی تحریریں ناول ہی ناول کی ویب سائیٹ یا "صداقت آن لائن ڈائجسٹ، صائمہ آن لائن ڈائجسٹ یا سپر ریڈنگ میٹریل میں بھی دینا چاہتے ہیں تو بھی رابطہ کریں۔ ناول ہی ناول آپ کو آپ کے عین مطابق پلیٹ فارم مہیا کر رہا ہے تو جلدی سے قلم اٹھائیں اور لکھ ڈالیں جو آپ کے ذہن میں مرکوز ہے۔ شکریہ !

اپنی تحریریں ہمیں اس پتہ پر ارسال کریں۔

Www.NovelHiNovel.Com

NovelHiNovel

NovelHiNovel@Gmail.Com

Support@NovelHiNovel.Com

03155734959

میرے خیال کا پیکر

از کرن نعمان

یہ ناول دسمبر 2016 کے شعاع ڈائجسٹ میں پبلش ہو چکا ہے۔

جیسے ہی جہاز کے پہیوں نے اسلام آباد کے رن وے کو چھوا ایمل کے احساسات خوشی بن کر اس کے چہرے پر چھلکنے لگے اور انکھوں میں نمی اتر آئی۔

"میرے دیس کی مٹی بہت زرخیز ہے ایمل، سخت سے سخت دل موم اور برسوں کی خشک آنکھیں بھی نم ہو جاتی ہیں وہاں"۔

آنکھوں میں نمی محسوس ہوتے ہی اسے اپنے پاپا فرہاد احمد کی کہی بات یاد آگئی اس یاد کے ساتھ ہی اس کے دل پر افسردگی سی چھائی گئی۔

جیسے ہی وہ سامان کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی ائیر پورٹ کی عمارت سے باہر آئی تو یخ بستہ ہوا کے تھپیڑوں نے اس کا استقبال کیا۔اپنے پیاروں کو رسیو کرنے آنے والوں میں اسے بہت جلد اقبال صاحب کا چہرہ نظر آگیا۔دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔اقبال صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور خیریت دریافت کی پھر اس کے ہاتھ سے ٹرالی لے

کراپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔رات کے آٹھ بج چکے تھے اسلام آباد کی سڑکوں پر ابھی گہما گہمی تھی۔جلد ہی وہ اقبال صاحب کے گھر پہنچ گئے۔یہ اٹالین طرز پر بنا ایک چھوٹا بنگلو تھا۔گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو اقبال صاحب نے ہارن بجا کر آمد کا اعلان کیا۔گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے مرکزی دروازے سے بھاری تن و توش کی حامل رخسانہ آنٹی اور تقریباً اپنی ہی ہم عمر شہرین کو باہر آتے دیکھا۔رخسانہ آنٹی نے اسے دیکھ کر دور سے ہی بانہیں وا کر دیں،ایمل کچھ جھجھک کر ان کی طرف بڑھی لیکن انھوں نے اپنے بھاری بھر کم وجود میں اسے ایسے سمو لیا جیسے مرغی اپنے پروں میں چوزے کو لے لیتی ہے۔اسے ایک بہت ہی پیاری ممتا بھری مہک ان کے وجود سے اٹھتی محسوس ہوئی،انھوں نے ایمل کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار سے دیکھا اور پھر اس کا ماتھا چوم لیا۔

"تمھارے ماں باپ کا سن کر بہت افسوس ہوا بیٹی، تمھاری ماں کو تو کبھی دیکھا نہیں پر باپ بہت ہی نفیس اور اچھے انسان تھے خدا ان دونوں کو جنت الفردوس میں جگہ دے".

ماں باپ کے ذکر پر اس کے چہرے پر آئی مسکراہٹ مدھم ہو گئی۔یہ محسوس کر کے شہرین فوراً آگے بڑھی۔

"ماں جی! اجازت ہو تو میں بھی مل لوں ."

یہ کہتے ہی وہ ایمل سے لپٹ گئی۔ایمل کو اس کے انداز میں بہت اپنائیت محسوس ہوئی۔

" شہرین بیٹا باہر سردی بہت ہے ایمل کو اندر لے چلو"۔اقبال صاحب اس کا سامان گاڑی کی ڈگی سے باہر نکال چکے تھے۔

"ہاں بیٹا، چلو اندر چلو."

رخسانہ آنٹی اور شہرین اسے اپنی بانہوں کے حصار میں گھر کے اندر لے آئیں۔

آج رات وہ ان لوگوں کی مہمان تھی۔کل صبح اسے اپنے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو جانا تھا۔ رات گئے تک وہ اقبال صاحب رخسانہ آنٹی اور شہرین سے باتیں کرتی رہی۔کسی بھی پاکستانی فیملی سے ملنے کا یہ اس کا پہلا تجربہ تھا۔وہ پاکستان پہلی بار آئی تھی نیویارک میں بھی ان کا پاکستانی کمیونٹی سے زیادہ میل جول نہیں تھا۔اس کے پاپا چند پاکستانیوں سے ملتے تھے مگر کبھی کسی کو گھر کی حد تک نہیں لائے تھے۔اقبال صاحب بھی جب کبھی امریکہ آتے تو

ان کے گھر کبھی نہیں آتے تھے ہمیشہ ہوٹل میں ہی ٹھہرتے۔پاپا کی ڈیتھ سے چھ ماہ قبل جب وہ امریکہ آئے تب اس کے پاپا اسے ہی اقبال صاحب سے ملوانے ہوٹل لے گئے تھے۔اقبال صاحب اس کے پاپا فرہاد احمد کے بہترین دوست اور ماضی میں پاکستان میں ان کے پڑوسی بھی رہ چکے تھے۔فرہاد احمد اقبال صاحب پر جی جان سے زیادہ بھروسہ کرتے تھے اور اسی بھروسے کے تحت وہ ایمل کی تمام زمہ داری انہیں سونپ گئے تھے۔اقبال صاحب نے بھی دوستی کا حق بہ طریق احسن نبھایا تھا۔ایمل کے والدین کی اچانک حادثاتی موت کے بعد سے لے کر اب تک وہ مستقل اس سے ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کے ذریعے رابطے میں رہے تھے اس نے مستقل پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا جس کے لیے تمام انتظامات اس کی مرضی کے مطابق اقبال صاحب نے ہی کیے تھے اور آج جب وہ اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے پاکستان آگئی تھی تو ان کی فیملی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں شہرین سے اس کی خاصی بے تکلفی ہو گئی ۔رخسانہ آنٹی نے اس کے لیے بہت مزیدار کھانا بنایا تھا اور بے حد اصرار اور محبت سے کھلایا بھی تھا۔اقبال صاحب اسے ایک سے بڑھ کر ایک اپنے اور فرہاد احمد کے بچپن کے قصے سنا رہے تھے۔کچھ

شرارتیں تو ان کی ایسی تھیں جسے سن کر ایمل اور شہرین ہنس ہنس کر دھری ہوئی جارہی تھیں۔

"آپ مردوں کے قصے بھی ختم ہونے میں نہیں آتے، کب سے اپنی اور فرہاد بھائی کی باتیں بتا بتا کر بچیوں کو ہنسا رہے ہیں، اب مجھے بھی ایمل سے اس کی ماں کے بارے میں پوچھنے دیں کہ وہ کیسی تھیں فرہاد بھائی خود تو ہر سال آتے تھے مگر بھابھی کو کبھی ساتھ نہیں لائے۔ میں کہتی تھی کبھی بھابھی کو بھی ساتھ لائیں تو ہمیشہ یہی کہتے تھے بھابھی اگلی بار آؤں گا تو ساتھ لاؤں گا مگر لائے کبھی نہیں۔ تم بتاؤ ایمل! تم اور تمھاری ماما کبھی فریاد بھائی کے ساتھ آئیں کیوں نہیں ."

گرم گرم چائے پیتے ہوئے رخسانہ آنٹی نے بڑی لگاوٹ سے پوچھا تھا لیکن ان کا سوال سن کر ایمل کے چہرے پر ایک تاریک سایہ سا رینگ گیا۔ اس نے چور نظروں سے اقبال صاحب کی طرف دیکھا تو انھیں بھی نہایت سنجیدگی سے خود کو تکتے پایا۔ ان کے اس طرح دیکھنے پر اس کے دل میں خیال آیا تھا کہ نا جانے وہ اس کے اور اس کی ماما کے بارے میں کیا کیا جانتے ہوں گے۔

"وہ، آنٹی۔۔ بات یہ ہے کہ ماما بہت مصروف اور سوشل وومین تھیں اور میں زیادہ تر اپنی پڑھائی میں مشغول رہی، اسی لیے ہم کبھی پاپا کے پروگرام میں ان کو جوائن نہیں کر سکے، بس یہی بات تھی."

اس نے بھرپور کوشش کی تھی اقبال صاحب کی نظروں سے اپنی شرمندگی چھپانے کی۔

"ایمل تمھاری ماما مسلمان تھیں."

اس سوال پر وہ چند لمحے شہرین کو دیکھتی رہ گئی۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب دے۔

"ہوں". یہ کہہ کر اس نے جان چھڑائی۔

"ان کا اسلامی نام کیا تھا۔میں نے تو فرہاد بھائی کے منہ سے ہمیشہ مارٹینا ہی سنا."

رخسانہ آنٹی کے سوال کا جواب بھی اسے سوچنا پڑا تھا۔

"ان کا مسلم نیم سارہ تھا انٹی ."

شاید وہ خود بھول چکی تھی کہ اس کی ماں کا کوئی مسلم نام بھی تھا۔

"اچھا بھئی، اب ایمل کو آرام کرنے دو، باقی باتیں صبح کر لینا، رات کافی ہو گئی ہے اور پھر لمبے سفر کی تھکان بھی ہو گی ."

اقبال صاحب کی اس سوال جواب کے بیچ مداخلت پر اس نے شکر گزار نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا شاید انھیں اس کی اذیت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔اس رات چاہنے کے باوجود بھی وہ سکون سے سو نہ پائی تھی۔ پلکوں کے پیچھے تلخ یادوں کی پرچھائیاں اسے تڑپاتی رہیں، دل کا درد آنسو بن کر آنکھوں سے بہتا رہا۔

****

اگلی صبح ناشتے کے بعد وہ اقبال صاحب اور شہرین کے ساتھ اپنے اپارٹمنٹ میں آئی تھی۔ یہ اپارٹمنٹ اسلام آباد کے ایک پوش ایریا میں واقع آٹھ منزلہ عمارت مارگلہ ٹاور میں تھا۔ پچھلی بالکنی سے مارگلہ ہلز کا دلکش منظر اسے بہت ہی بھلا لگا۔ یہ اپارٹمنٹ پانچ سال پہلے فرہاد احمد نے اس کے نام سے خریدا تھا جب انہوں نے اس کے پیپرز اسے دیئے تھے تب اس نے انتہائی برامنہ بناتے ہوئے وہ پیپرزان سے لیے ضرور تھے پر غیر ضروری جان کر اپنی وارڈروب میں ڈال دیئے۔ پانچ سالوں میں اس نے پانچ بار بھی انھیں چھوا نہ ہو گا

لیکن پاکستان آتے وقت اس کے سامان میں سب سے ضروری اور قیمتی چیز اس اپارٹمنٹ کے پیپرز ہی تھے۔اگلے تین دن وہ شہرین کے ساتھ مل کر اپارٹمنٹ کو ضروری سامان سے آراستہ کرتی رہی ۔اقبال صاحب کی مدد سے اس نے ایک چھوٹی گاڑی بھی خرید لی۔

اگلا مرحلہ اس کی جاب کا تھا۔آنے سے پہلے اس نے اپنی سی وی اقبال صاحب کو بھجوادی تھی انھوں نے کچھ جگھوں پر اس کے لیے اپلائی کیا ہوا تھا اس لیے چند دن بعد ہی اسے ایک ملٹی نیشنل کمپنی سے انٹرویو کی کال بھی آگئی ۔

****

ایمل کو پاکستان آئے ہوئے آٹھ ماہ سے زائد ہو گئے تھے۔وہ صبح سویرے اٹھنے کی عادی نہیں تھی مگر پاکستان آنے کے بعد وہ بہت سویرے اٹھ جاتی اور باقی سارے دن میں کوئی نماز پڑھے نہ پڑھے فجر کی نماز ضرور پڑھتی تھی۔ صبح کے وقت اسے مارگلہ کی پہاڑیوں کا منظر دیکھنا اچھا لگتا تھا پہاڑوں پر اترنے والی دھند اسے اپنی روح میں اترتی محسوس ہوتی۔

"ہر صبح نیویارک پر چند لمحوں کے لیے ایسے دھند اترتی ہے ایمی جو کچھ دیر کے لیے پورے شہر کو اپنی آغوش میں گھیر لیتی ہے، تم دیکھو تو دیوانی ہو جاو، سچ"۔

کسی کی سرگوشیاں اس کے آس پاس سرسراتی رہتی تھیں۔ان تکلیف دہ یادوں سے وہ لاکھ چاہنے کے باوجود بھی جان چھڑا نہیں پائی تھی۔

آفس میں اس کا وقت اچھا گزرتا تھا۔واپس آتے ہوئے وہ کھانے پینے کا ضروری سامان بھی ساتھ لے آتی تھی۔ہر رات کھانا کھانے کے بعد وہ پچھلی بالکنی میں نکل آتی۔پہاڑوں پر بنے گھروں سے پھوٹتی روشنیاں اسے بہت بھلی لگتی تھیں۔

آج بھی وہ ان چراغوں کی لو جیسی ٹمٹماتی روشنیوں پر نگاہ جمائے یادوں میں گھری کھڑی تھی اچانک اسے فضا میں تمباکو کی مہک محسوس ہوئی۔یہ اسی برانڈ سگار کی مہک تھی جو اس کے پاپا بھی پیتے تھے۔جانی پہچانی خوشبو محسوس کر کے اس کا چونکنا لازمی تھا اس نے لوہے کی گرل سے باہر جھانکا تو دائیں ہاتھ والے اپارٹمنٹ کی گرل کے ساتھ کھڑا ایک تاریک ہیولہ سا دکھائی دیا۔وہ جب سے یہاں آئی تھی یہ اپارٹمنٹ خالی پڑا ہوا تھا۔بائیں ہاتھ والے دو اپارٹمنٹ آباد تھے۔یہاں سب اپنے آپ میں مگن رہتے تھے لوگ ایک دوسرے سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتے تھے۔وہ آج تک کسی دوسرے اپارٹمنٹ میں

نہیں گئی تھی اسی لیے اسے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ برابر والے اپارٹمنٹ میں کب کون آکر آباد ہو گیا۔

ہوا کے رخ کے ساتھ آنے والی سگار کی مہک کو وہ اپنے اندر اتار رہی تھی کچھ دیر بعد وہ خوشبو آنا بند ہو گئی۔ جو بھی وہاں کھڑا تھا اب واپس اندر جا چکا تھا۔ وہ بھی گہری سانس لیتی کمرے میں سونے کے لیے آگئی۔

خلاف معمول آج اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ فجر کی نماز بھی نکل گئی۔ جلدی جلدی معمولات نبٹا کر وہ آفس جانے کے لیے اپارٹمنٹ سے باہر آئی۔ جیسے ہی اس نے دروازہ لاک کیا ویسے ہی برابر والے اپارٹمنٹ سے کوئی باہر آیا۔

"اوکے ماں، اللہ حافظ، دعا کرنا."

بہت ہی خوبصورت آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اس نے گھوم کر دیکھا تو چند لمحے دیکھتی رہ گئی۔ سانولا مگر پرکشش رنگ، سلیقے سے تراشی ہوئی مونچھیں چھ فٹ سے نکلتا قد گرے پینٹ کوٹ میں ملبوس وہ خوشبو بکھیرتی شخصیت ریٹائرڈ میجر جہاں زیب کی تھی۔

وہ لفٹ کی طرف بڑھے تو اسے یاد آیا کے اسے بھی تو نیچے جانا ہے۔ایک بار لفٹ نیچے گئی تو اسے اوپر آنے میں ٹائم لگے گا یہ سوچ کر اس کی رفتار تیز ہو گئی یہاں تک کہ وہ لفٹ میں موجود میجر صاحب سے ٹکراتے ہوئے بچی۔

"اوہ، سوری"۔

اس نے خجالت بھری آوازِ میں معذرت کی۔

"اٹس اوکے ."

انھوں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔دونوں ایک فٹ کے فاصلے کے ساتھ دروازے کی طرف رخ کیے کھڑے رہے مگر جیسے ہی لفٹ کا دروازہ کھلا دونوں ہی جھجھک کر قدم نہ بڑھا سکے پھر میجر جہانزیب نے مودبانہ انداز میں ہاتھ کے اشارے سے اسے پہلے جانے کے لیے کہا تو وہ مسکرا کر "تھینکس" کہتی باہر آگئی۔ تھوڑے فاصلے سے چلتے دونوں اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف آگئے۔ پچھلی روسے اپنی گاڑی نکالتے اس نے اپنے سامنے سے سلور ہنڈا اکارڈ کو نکلتے دیکھا تو سوچا۔

"واہ بھئی، بندہ اور گاڑی دونوں ہی شاندار ہیں"

****

اتوار کا دن اس کا اقبال صاحب کی طرف گزرتا تھا یا پھر شہرین اس کی طرف آجاتی تھی۔ دونوں خوب باتیں کرتیں، اپنی پسند کی موویز دیکھتیں، شاپنگ کے لیے چلی جاتیں۔ اکثر اقبال صاحب اور رخسانہ آنٹی بھی آجاتے پھر وہ سب مل کر کسی پکنک سپاٹ کی طرف نکل جاتے یا کسی ریسٹورنٹ میں ڈنر کے لئے چلے جاتے۔

مگر اس اتوار نہ تو وہ اقبال صاحب کی طرف جا سکتی تھی اور نہ ہی شہرین اس کے پاس آسکتی تھی کیونکہ دو دن پہلے ہی وہ لوگ رخسانہ آنٹی کے کسی قریبی عزیز کی اچانک وفات پر جہلم جا چکے تھے۔ رخسانہ آنٹی کا سارا میکہ جہلم میں آباد تھا۔ سو آج وہ اپنے اپارٹمنٹ میں ہی بور ہو رہی تھی۔ شام میں اس نے سوچا کیوں نہ قریبی پارک میں ہی چلی جائے۔ مارگلہ ٹاورز کے قریب ہی بہت خوبصورت بچوں کا چھوٹا سا پارک تھا۔ آج موسم بھی بہت خوشگوار تھا۔ پارک میں اس نے سٹال سے کولڈ رنک اور اسنیکس خریدے پھر ایک بینچ پر بیٹھ کر بچوں کو کھیلتے کودتے دیکھنے لگی۔ پنک فراک پہنے ایک بہت چھوٹی بچی جس نے شاید ابھی چلنا سیکھا ہو گا پھولوں کے قطعے کی طرف لپک رہی تھی۔ وہ بار بار گرتی اور

اس کی ماں بار بار بھاگ کر اسے اٹھاتی اس خوبصورت منظر کو وہ بہت محویت سے دیکھ رہی تھی کہ اچانک قریب سے ابھرنے والی نسوانی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"ہیلو."

اس نے سر کو گھما کر دیکھا تو بینچ کے قریب ہی ایک بزرگ خاتون لائٹ براؤن ساڑھی کے اوپر آف وائٹ شال لپیٹے ویل چیئر پر بیٹھی نظر آئیں وہ ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئی اور مسکرا کر جواباً

"ہیلو" کہا۔

"سوری میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا."

بزرگ خاتون نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا "نہیں نہیں، وہ تو میں ویسے ہی، چھوٹی بچی بہت پیاری لگ رہی تھی تو میں بس اسے دیکھتی چلی گئی". ایمل نے کچھ جھجھکتے ہوئے کہا۔

"ہوں، اور میں تمہیں دیکھتی چلی گئی۔ ماشاءاللہ بہت پیاری ہو"۔

اپنی تعریف سن کر ایک شرمیلی مسکان اس کے لبوں کو چھو گئی

"تھینکس."

"کیا نام ہے تمہارا."

خاتون نے پیار سے اس کا نام پوچھا۔

"ایمل، ایمل فرہاد."

"ایمل، بہت پیارا نام ہے۔پڑھتی ہو."

وہ شاید اسے کوئی سٹوڈنٹ سمجھ رہی تھیں۔

"جی نہیں، میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتی ہوں"۔

"گڈ، یہاں کہیں قریب ہی رہتی ہو."

"جی مارگلہ ٹاور میں."

"اچھا، میں بھی وہیں رہتی ہوں."

"اوہ رئیلی، پر میں نے کبھی آپ کو وہاں دیکھا نہیں"۔

اس نے حیرت سے خاتون سے پوچھا

"میں ابھی چند دن پہلے ہی وہاں شفٹ ہوئی ہوں."

"اچھا، تو وہاں سے یہاں تک آنے میں آپ کو کافی پرابلم ہوئی ہو گی."

اس نے ان کی وہیل چیئر کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔اصل میں مارگلہ ٹاور سے اس پارک تک آنے کے لیے دورویہ بڑی سڑک کراس کرنی پڑتی تھی۔

"نہیں ایسی کوئی مشکل تو نہیں ہوئی, ویسے بھی میں یہاں اپنے بیٹے کے ساتھ آئی ہوں"

۔

"اوہ، اچھا."

اس نے غیر ارادی طور پر ادھر ادھر نظر گھما کر بیٹے کی موجودگی ان کے پاس محسوس کرنا چاہی۔

"میرا بیٹا گاڑی میں پیٹرول بھروانے گیا ہے۔آتا ہی ہو گا ."

"آتا ہو گا نہیں، آ گیا."

ایک خوبصورت مردانہ آواز ان کی پیچھے سے ابھری ایمل نے سر اٹھا کر دیکھا۔ یہ تو وہی تھے

"جی ماں! آپ بور تو نہیں ہوئیں ." انہوں نے بہت پیار سے جوس کا کین کھول کر اپنی ماں کی طرف بڑھایا پھر قریب ہی ایک بینچ پر بیٹھ گئے ۔

"نہیں میں نے بوریت دور کرنے کے لیے اپنی ایک ساتھی چن لی ".

بزرگ خاتون نے پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسلام علیکم ".

ان کے بیٹے نے دلچسپی سے ایمل کو دیکھا۔

"وا،وعلیکم السلام"۔

جواب دیتے ہوئے اسے خاصی شرمندگی ہوئی۔ وہ عمر میں اس سے خاصے بڑے تھے۔ اسے سلام میں پہل کرنی چاہیے تھی۔

"ریٹائرڈ میجر جہانزیب احمد"۔

انھوں نے اپنا تعارف کروایا تو جواباً ایمل نے بھی اپنا نام بتا دیا۔

"جہاں زیب! یہ بچی بھی مارگلہ ٹاور میں رہتی ہے"۔

"آں ہاں، تبھی یہ چہرہ مجھے کچھ جانا پہچانا لگ رہا ہے ."

میجر صاحب کی گہری نگاہ ایمل کا جائزہ لے رہی تھی۔

"مارگلہ ٹاور میں کون سے فلور پر کونسا اپارٹمنٹ " "فورتھ فلور پر408."

"ارے واہ،ماں یہ تو ہمارے پڑوسن نکلی ."

"واقعی، گڈ، تو پھر کسی دن ہماری طرف آؤنا بیٹا ."

میجر صاحب کی ماں نے ایمل کو کھلے دل سے دعوت دے ڈالی۔

"جی ضرور، اچھا آنٹی اب میں چلتی ہوں ." اس نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے اجازت طلب کی۔"اچھا ٹھیک ہے، پر آنا ضرور"۔

Visit us at. http://novelhinovel.com

NOVEL HI NOVEL

ایک بار پھر انہوں نے پر زور دعوت دی جس کے جواب میں ایمل کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ آئی اور وہ بغیر کچھ بولے گیٹ کی طرف بڑھ گئی یہ دیکھے بنا کہ اس کی مسکراہٹ میجر صاحب کے گرد ایک حصار کھینچ چکی تھی۔

****

"کاشان یار... تمھیں یاد ہے کہ بچپن میں میں تمھیں ایک سبز آنکھوں والی فیری کی کہانی سناتا تھا"۔

"جی، یاد ہے اور وہ فیری جسے مسکرا کر دیکھ لیتی تھی اس پر جادو ہو جاتا تھا۔ وہ اپنی مسکراہٹ سے لوگوں کو پتھر کا بنا دیتی تھی."

"ہاں وہی۔۔۔ پر آج میں نے سچ مچ کی سبز آنکھوں والی، اپنی مسکراہٹ سے دلوں پر جادو پھونکنے والی، جیتی جاگتی فیری دیکھی ہے."

'اوہو۔۔۔ تو لگتا ہے آپ کے پتھر دل پر بھی اس فیری کا جادو چل گیا ہے"۔

"ارے نہیں۔۔۔ اب ایسا بھی نہیں، پر میرا خیال ہے کہ تم اس فیری کی مسکراہٹ کے جادو سے بچ نہ سکو گے."

"اچھا۔۔تو یہ بات ہے، چیلنج؟"۔

اور پھر دونوں طرف دونوں کے بھرپور قہقہے گونجے۔ پچھلے ایک گھنٹے سے میجر صاحب لندن میں موجود اپنے بیٹے سے انٹرنیٹ کے ذریعے بات چیت کر رہے تھے۔

****

آج کام زیادہ ہونے کی وجہ سے ایمل واپس آتے ہوئے کافی لیٹ ہو گئی تھی۔ آتے ہی وہ لاونج کے صوفے پر لیٹ گئی قریب تھا کہ اس کی آنکھ لگ جاتی پر بیل کی آواز پر مجبوراً اسے اٹھنا پڑا۔دروازہ کھولتے ہیں ایک اجنبی صورت نظر آئی۔

"یہ جی سفینہ بیگم نے بھیجا ہے آپ کے لیے". اس آدمی نے کانچ کا باؤل اس کی طرف بڑھایا۔

"کون سفینہ بیگم."

اس نے باؤل لینے کی بجائے حیرت سے پوچھا

"وہ جی، ساتھ والے اپارٹمنٹ میں رہتی ہیں میجر جہانزیب کی والدہ، میں ان کا ملازم ہوں شکیل ."

اس نے سفینہ بیگم کے ساتھ ساتھ اپنا تعارف بھی ضروری سمجھا تھا۔

"اوہ"

اسے پارک میں ہونے والی ملاقات یاد آگئی۔اس نے باؤل لے کر شکریہ کہلوادیا۔ باؤل میں کھیر تھی اس نے ریک میں سے چمچ نکالا اور باؤل میں ہی کھانا شروع ہو گئی ساتھ ہی اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ کل وہ بھی کچھ بنا کر ان کی طرف بھجوائے گی مگر اگلے تین دن مصروفیت زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ کچھ اچھا بنا ہی نہ سکی۔اقبال صاحب کی فیملی بھی واپس آگئی تھی تو ایک رات کے لیے ان کی طرف چلی گئی اگلے دن آفس جانے سے پہلے وہ اپنے اپارٹمنٹ واپس آئی تو کچن کی شیلف پر رکھے باؤل پر نظر پڑی۔

"اوہ شٹ! یہ ابھی تک نہیں جا سکا، چلو پھر آج کچھ بناتے ہیں سفینہ آنٹی کے لیے".اس نے دل میں پکا ارادہ کر لیا۔

آفس سے واپسی پر وہ کھانا پکانے کی کافی ساری چیزیں لے آئی تھی۔بہت محنت سے اس نے سٹیکس تیار کیں انھیں باؤل میں سیٹ کر کے اپنا حلیہ درست کیا پھر اپارٹمنٹ سے باہر آگئی۔اس کا ارادہ تھا کہ باؤل ملازم کے حوالے کر کے واپس آجائے گی لیکن دروازہ

کھولنے والی شخصیت میجر جہاں زیب کی تھی۔ نگاہ ملتے ہی دونوں کے منہ سے آہستہ سے

نکلا"اوہ."

"السلام علیکم "

اس نے جھٹ میجر صاحب کو سلام کیا۔ پہلی شرمندگی یاد تھی۔

"وعلیکم السلام."

انھوں نے سلام کو کھینچتے ہوئے اسے جواب دیا۔

"وہ۔۔میں۔۔۔یہ"۔

ایمل نے باؤل والا ہاتھ آگے کیا۔

"پلیز۔۔۔ویلکم."

میجر صاحب نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اسے اندر

آنے کی دعوت دی۔ وہ ہچکچاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اپنے پیچھے اس نے دروازے بند

ہونے کی آواز سنی۔ تھوڑا سا آگے آ کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ پورے لاونج میں کوئی بھی نہیں تھا۔ اسے خیال آیا کہیں میجر صاحب اکیلے ہی نہ ہوں اور۔۔۔اور

"سفینہ آنٹی کہاں ہیں "

اس نے فورا پلٹ کر جلدی سے پوچھا میجر صاحب کی مسرت اس کے چہرے پر تشویش دیکھ کر سنجیدگی میں بدل گئی انہوں نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے باؤل لے لیا

"یہیں ہیں اپنے بیڈروم میں۔ ڈاکٹر سے اپنا روٹین چیک اپ کروا رہی ہیں، شکیل"۔

ساتھ ہی انہوں نے اس کے عدم تحفظ کے احساس کو کم کرنے کے لیے اپنے ملازم کو بھی آواز دے ڈالی

"بیٹھو."

انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اس کے بیٹھتے ہی وہ خود بھی بیٹھ گئے

"اس میں کیا ہے، کیا بنا کر لائی ہو". انہوں نے باؤل کا ڈھکنا اٹھایا

"یہ اسٹیکس ہیں، وہ ایکچوئیلی مجھے پاکستانی روایتی ڈشز بنانی نہیں آتیں اس لیے۔۔۔"۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ مزید کیا بولے "کیوں بھئی، پاکستان میں رہتی ہو اور پاکستانی ڈشز ہی بنانی نہیں آتیں "

انہوں نے باؤل میں سے ایک چھوٹا سا پیس لے کر اپنے منہ میں ڈالا۔

"جی سر ! بلایا آپ نے."

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی ان کا ملازم آگیا" دیکھو ماں فارغ ہوئیں یا نہیں"

"جی سر "

شکیل سر کے اشارے سے ایمل کو سلام کر کے ایک کمرے میں چلا گیا۔

"ویسے یہ جو کچھ بھی تم نے بنایا ہے اچھا مزے دار ہے ."

" تھینکس"۔

اس نے کچھ شرماتے ہوئے ان کی تعریف قبول کی چند لمحوں بعد ہی ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور وہیل چیئر پر سفینہ بیگم باہر آئیں۔ وہ انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ ان کے پیچھے ایک لیڈی ڈاکٹر بھی تھی۔ ایمل نے انہیں سلام کیا

"ارے تم، آؤ بھئی۔۔۔ کیسی ہو"۔

انھوں نے ایمل کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا "جی ڈاکٹر! کیا رپورٹ ہے."

میجر صاحب بھی کھڑے ہو چکے تھے

"ایوری تھنگ از فاین، شی از پرفیکٹلی آل رائٹ."

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے بتایا

"گڈ، پلیز جوائن از."

"نو تھینکس، پھر کبھی سہی، ابھی ذرا جلدی میں ہوں."

ڈاکٹر واقعی جلدی میں تھی اس لئے فوراً ہی دروازے کی سمت بڑھ گئی۔

"ماں میں ڈاکٹر مریم کو نیچے تک چھوڑ کر آتا ہوں، ٹھیک ہے."

ڈاکٹر کے پیچھے میجر صاحب بھی اپارٹمنٹ سے باہر چلے گئے

"ایمل بیٹا کھڑی کیوں ہو بیٹھو نا". سفینہ بیگم نے ایمل کو کھڑا دیکھ کر بیٹھنے کو کہا۔ایمل اس سارے منظر کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ان کے اصرار پر بیٹھ گئی۔

"اور سناؤ، کیسی ہو ."

"ٹھیک ہوں، میں آپ کے لیے یہ لائی تھی"۔

اس نے ڈش کی طرف اشارہ کیا.

"تم نے بنایا ہے یا تمہاری ماں نے". انہوں نے باؤل شکیل کے حوالے کرتے ہوئے پوچھا

"جی، میں نے ہی بنایا ہے۔میری ماما کچھ نہیں بنا سکتیں ."

"کیوں "

انہیں حیرت ہوئی

"پچھلے سال ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں میری ماما اور بابا دونوں کی ڈیتھ ہو گئی نیو یارک میں

."

اس کے لہجے میں اداسی اتر آئی تھی۔

"اووو، بیٹا آئی ایم سوری"۔

انہوں نے تاسف کے ساتھ آگے کو جھک کر اس کے کاندھے کو ہلکے سے تھپتھپایا۔

"اب تمہارے ساتھ کون رہتا ہے، میرا مطلب بھائی بہن یا دیگر رشتے دار وغیرہ."

"آنٹی میں اپنے ماما پاپا کی بس ایک ہی بیٹی ہوں اور باقی رشتہ داروں سے کوئی خاص ملنا جلنا نہیں ویسے یہاں قریب میں ہی میرے پاپا کے دوست رہتے ہیں اقبال انکل وہی پاکستان میں میرے کیئر ٹیکر ہیں "

"اچھا اچھا, ویسے اس روز میں نے تمہیں دیکھا تو تمہارے چہرے میں مجھے یورپین جھلک نظر آئی تھی۔ خاص طور پر تمہاری سبز آنکھوں میں مگر تمہارا لب ولہجہ تو بالکل دیسی لگتا ہے "

"جی میری ماما امریکن تھیں اور پاپا پاکستانی، پاپا سے بہت زیادہ ذہنی مطابقت کے باعث اردو پر طور بھی عبور حاصل رہا ."

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ویسے تمہیں دیکھ کر لگتا ہے تمہاری ماں بہت خوبصورت ہوں گی ."

ان کی بات سن کر ایمل کے چہرے پر چھائی مسکراہٹ تشویش بھری سنجیدگی میں بدل گئی وہ اندر ہی اندر گھبرا گئی کہ اب نہ جانے یہ کیا کچھ پوچھیں گی۔

"جی" بدقت تمام اس کے منہ سے نکلا پھر فوراً ہی اس نے بات کا رخ موڑ دیا۔

"آنٹی آپ کی یہ پرابلم پیدائشی ہے یا حادثاتی ."

اس نے وہیل چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سب پندرہ سال پہلے ایک حادثے میں ہوا۔ میں اور تہمینہ اسلام آباد سے ایبٹ آباد جا رہے تھے کہ ایک موڑ مڑتے ہوئے سامنے سے تیز رفتار بس آگئی ڈرائیور نیا تھا وہ سمجھ نہیں پایا اور کچھ زیادہ ہی گاڑی کنارے کی طرف موڑ دی۔ نیچے گہری کھائی تھی۔ تہمینہ اور ڈرائیور موقع پر ہی دم توڑ گئے اور میں بدنصیب بچ تو گئی پر میری دونوں ٹانگیں ناکارہ

ہو گئیں بس جب سے اس وہیل چیئر کا ساتھ ہے۔ جہاں زیب مجھے لندن لے گیا تھا بہت علاج کروایا لیکن ان بے جان ٹانگوں میں جان نہ پڑھ سکی."

یہ بتاتے ہوئے سفینہ بیگم کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

"سوری آنٹی ان جانے میں میں نے آپ کا دل دکھا دیا ."اسے یہ سب سن کر بہت افسوس ہوا تھا۔ "کوئی بات نہیں، یہ باتیں تو اپنوں کو یاد کرنے کا بہانہ بن جاتی ہیں"۔

"تہمینہ آپ کی۔۔۔."

اسے تجسس ہوا

"بہو تھی میری، جہاں زیب کی بیوی "

"اچھا تو پھر میجر صاحب نے دوبارہ شادی نہیں کی ."

"نہیں، میں نے بہت کہا، آج تک کہتی ہوں پر وہ مانتا ہی نہیں۔ تہمینہ میرے دیور کی بیٹی تھی جہاں زیب اور تہمینہ ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔ خاندان میں سب اس رشتے پر بہت خوش تھے ہم بہت دھوم دھام سے تہمینہ کو بیاہ لائے تھے۔ شادی کے بعد بھی دونوں کی محبت دن بدن بڑھتی ہی گئی پر نہ جانے کس کی نظر کھا گئی میرے ہنستے بستے

گھر کو۔ شادی کے آٹھ سال بعد اس حادثے نے جہاں زیب کی دنیا ہی اجاڑ دی۔ بہت سمجھایا اسے کہ دوسری شادی کرلے پر وہ کہتا ہے محبت ایک بار ہوتی ہے اور میں اپنے حصے کی محبت کر چکا۔"

یا اللہ ایسی محبت کرنے والے انسان بھی اس دنیا میں ہوتے ہیں۔

میجر صاحب کا دکھ اسے اپنے اندر اترتا ہوا محسوس ہوا۔ اسی اثناء میں اس کے موبائل کی بیل بج اٹھی دیکھا تو شہرین کا میسج تھا۔

"فوراً نیچے آجاؤ ڈنر کے لئے جانا ہے۔ ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں ."

میسج پڑھتے ہیں وہ اٹھ کھڑی ہوئی

"اوکے آنٹی! میں چلتی ہوں. اقبال انکل کی فیملی میرا انتظار کر رہی ہے پارکنگ میں."

"اوکے بیٹا ! بہت اچھا لگا تمہارا آنا پھر کسی وقت دوبارہ چکر لگانا"۔

"شیور آنٹی"۔

جیسے ہی وہ واپسی کے لئے پلٹی اسی وقت میجر صاحب اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے

"کہاں بھئی، اتنی جلدی جا رہی ہو، بیٹھو نہ ابھی."

جی۔۔وہ۔۔ایکچوئیلی ."

میجر صاحب پر نظر پڑتے ہی اس کے احساسات عجیب سے ہو گئے

"جہاں زیب ایمل کے انکل اس کا نیچے انتظار کر رہے ہیں ."

اوکے, چلو پھر نہیں روکتے ."

ایمل دھیرے سے مسکرا کر اپارٹمنٹ سے باہر آ گئی اس دن کے بعد وہ سفینہ بیگم کے گھر نہیں گئی پر ایک کام غیر ارادی طور پر روزانہ کرنے لگی تھی رات کا کھانا کھا کر عشاء کی نماز پڑھ کر وہ بالکنی میں آ جاتی اور ہوا کے رخ کے ساتھ آتی سگار کی خوشبو کو دھیرے دھیرے اپنے اندر اتارتی رہتی۔

****

"واچ مین، واچ مین."

وہ پیدل ہی پارکنگ سے نکل کر بلڈنگ کی پچھلی طرف آ گئی۔

"یس میڈیم ."

واچ مین اسے دیکھ کر بھاگا آیا

"کیا ہوا؟۔یہ لفٹ کیوں بند ہے."

"میڈیم! پروجیکٹ کے پاور پلانٹ میں کچھ پروبلم ہے۔کام ہو رہا ہے جلد ٹھیک ہو جائے گا."

"مائی گاڈ! کتنا ٹائم لگے گا"۔

وہ سخت کوفت زدہ ہوئی۔

"میڈیم ! ڈیرھ سے دو گھنٹے تو لگ جائیں گے."

"اوہ نو! میرے پاس تو کافی سامان ہے وہ اٹھا کر میں اوپر کیسے جاؤں گی"۔

عام گروسری کے ساتھ ساتھ آج وہ اپنی پسند کی کافی کتابیں اور سی ڈیز بھی لائی تھی جنھیں ڈھونڈھنے میں وہ بہت تھک چکی تھی۔اب اتنا سامان لے کر فورتھ فلور تک جانا اسے کے ٹو سر کرنے کے برابر لگ رہا تھا۔

"میڈیم! آپ کا سامان میں اوپر پہنچا دیتا ہوں، آپ فورتھ فلور پر رہتی ہیں نا ."

"ہاں ٹھیک ہے لے چلو، اور سنو 408 کے سامنے رکھ دینا کسی اور اپارٹمنٹ میں نہ دے آنا"۔

اس کی اور واد ب میں کی رفتار میں فرق تھا اس لیے اسے ڈر ہوا کہ وہ سامان کہیں اور نہ دے آئے۔

وہ خود اب آرام آرام سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر جا رہی تھی مگر یہ اس کے لیے نہایت مشقت طلب تھا تھرڈ فلور تک پہنچتے پہنچتے اسے لگا اس کی ٹانگوں سے جان نکلتی جا رہی ہے ۔ بمشکل خود کو گھسیٹتے ہوئے ایمل نے فورتھ فلور کی سیڑھیاں چڑھنا شروع کی ابھی بیچ میں پہنچی ہی تھی کہ اچانک تیزی سے نیچے اترتے شخص سے ٹکرا گئی۔

قریب تھا کہ وہ پچھلی سیڑھیوں پر لڑھک جاتی مگر دو مضبوط ہاتھ اس کی طرف بڑھے اور بازوؤں نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ خوف سے اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ اس کے ہاتھوں نے سامنے والے کا کالر اور بازو سختی سے دبوچ رکھا تھا۔

"ایمل."

بہت ہی خوبصورت، مدھم سرگوشی بن کر اس کے کانوں میں ڈھلنے والی آواز اسے چونکا گئی۔اس نے آنکھیں کھولیں تو میجر جہاں زیب کو سامنے پایا۔انہیں خود سے اتنا قریب محسوس کر کے ایمل نے ایک جھٹکے سے خود کو ان سے الگ کرنا چاہا پر سنبھل نہیں پائی اور ایک بار پھر وہ سیڑھیوں پر پھسلنے لگی تھی پر اب کی بار اس کے گرد ان کے بازوؤں کا حلقہ زیادہ تنگ ہوا تھا.

"کیا کر رہی ہو، گر جاؤ گی، سنبھالو خود کو."

انھوں نے اسے اپنی طرف کھینچا پھر دو قدم پیچھے ہو کر دیوار کے ساتھ ٹکا دیا اور اس کا وجود اپنے بازوؤں کی گرفت سے آزاد کیا۔شرم اور گھبراہٹ سے اس کی نگاہیں زمین میں گڑ گئی تھیں

"اب ٹھیک ہو."

ان کے لہجے میں پہلے والی نرمی لوٹ آئی تھی۔

ایمل نے ان کی طرف دیکھے بغیر سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"سلی گرل"۔

انہوں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی اور سیڑھیوں کی طرف مڑ کر نیچے اتر گئے۔

اپارٹمنٹ میں آتے ہی اس نے سامان شیلف پر رکھا پھر بیڈروم میں آکر بیڈ پر گر سی گئی۔ اسے ابھی تک سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ اس کے ساتھ ہوا کیا۔ ایک آواز، ایک خیال، ایک خوشبو بری طرح اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی۔ آنسوؤں کی لڑھیاں پلکوں کی باڑھ توڑ کر اس کے گالوں پر بہنے لگیں۔ سانس تیز تیز چلنے لگا اور دل اتنے زور سے دھڑکنے لگا کہ جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا وہ بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"نہیں۔۔اب نہیں۔۔ایک بار پھر میرے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔ نہیں ہو سکتا."

"ایمل"

وہ اپنے دھیان میں ناخن فائلر سے رگڑے جا رہی تھی۔"ایمل"

"ہاں"۔ شہرین کے دوسری بار اتنے قریب سے پکارنے پر وہ بری طرح چونکی۔

"کیا بات ہے سب ٹھیک تو ہے نا؟."

ایمل بہت ایکٹیو لڑکی تھی پر پچھلی چند ملاقاتوں سے وہ نوٹ کررہی تھی کہ ایمل کچھ گم سم سی ہے بات کرتے کرتے بھول جاتی ہے کہ وہ کیا کہہ رہی تھی، کام کرتے کرتے اس کے ہاتھ رک جاتے، ہنستے ہنستے اس کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں نا جانے اسے کیا ہوتا جارہا تھا

"ہاں۔۔سب ٹھیک ہے، کیوں، کیا ہوا."

ایمل نے حیرت سے پوچھا۔

"پتا نہیں کیوں، تم مجھے کچھ عجیب عجیب سی لگ رہی ہو"

"تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو، ایسی کوئی بات نہیں جو عجیب ہو"۔

یہ کہتے ہوئے اس نے شہرین سے نگاہ چرائی تھی

"آر یو شیور۔۔۔"۔

شہرین نے کچھ بے یقینی سے پوچھا

"اوہ، کم آن شہرین۔۔آف کورس ."

ایمل نے ہنستے ہوئے اسے یقین دلانے کی کوشش کی

"اچھا بھئی۔۔۔ چلو، پھر چل رہی ہو "

"کہاں جانا ہے" ایمل نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے پوچھا

" یہاں قریب ہی ایک شاپنگ مال میں ڈیزائنر ویئر شاپس پر سیل لگی ہوئی ہے۔ چلتے ہیں ،کچھ سردیوں کے لیے شاپنگ کر لیتے ہیں, کیا خیال ہے. "

"اچھا خیال ہے، مجھے بھی کچھ نئی جینز لینی ہیں۔۔۔ جو میں امریکہ سے لائی تھی وہ سب اب بالکل رف ہو گئی ہیں. "

ایمل نے الماری سے اپنا ہینڈ بیگ نکالا اور دونوں اپارٹمنٹ سے باہر آ گئیں۔ ائیر کنڈیشن مال میں داخل ہوتے ہی اسے سردی کا احساس ہوا تو اس نے اپنے شانوں پر شال پھیلا لی۔ کچھ دیر تک دونوں ایسے ہی گھومتی رہیں، انھیں ابھی تک اپنے مطلب کی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔

"فرنچ فرائز کھاؤ گی "

شاپنگ کے دوران کھانا پینا شہرین کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

"ضرور، تم کھلاؤ گی تو ضرور کھاؤں گی."

ایمل نے ہنس کر کہا۔

"کنجوس! پتا تھا یہ ہی کہو گی، مر و یہیں، لاتی ہوں"۔ شہرین برا منہ بناتے چلی گئی۔

ایمل ہنستے ہوئے دو قدم پیچھے ہوئی تو دوسری طرف سے آتے ایک بچے سے ٹکرا گئی اس کا بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس نے پلٹ کر بچے کو زور سے آواز دی۔

"اوئے" پر بچہ شرارت سے ہنستا دور بھاگ گیا۔ اس نے مڑ کر اپنا بیگ اٹھانا چاہا لیکن اس سے پہلے کہ وہ جھکتی اس نے دیکھا کوئی اس کا بیگ اٹھا رہا تھا۔

" تھینکس "۔ مگر جیسے ہی وہ شخص بیگ اٹھا کر سیدھا کھڑا ہوا، ایمل کو ایک جھٹکا لگا۔ میجر جہاں زیب اس کے سامنے کھڑے تھے۔ مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے۔

"کہاں کہاں ٹکراتی پھرتی ہو لڑکی، لگتا ہے سارے زمانے سے ٹکرانے کا ٹھیکا اکیلے تم نے ہی لے رکھا ہے وہ شرارت ہی شرارت میں اسے کچھ یاد دلا رہے تھے۔

"جی۔۔ نہیں تو۔۔ وہ ایکچوئیلی میں شاپنگ کے لیے آئی تھی."

جلد ہی اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر انہیں جواب دیا۔

"میرا خیال ہے شاپنگ مال میں لوگ شاپنگ کے لیے ہی آتے ہیں."

ان کے شرارتی انداز پر وہ دھیرے سے مسکرا دی اور جب جب وہ مسکراتی تھی وہ اپنی نظر اس پر سے ہٹانا بھول جاتے تھے۔

"اکیلی ہو"۔

"نہیں میری دوست شہرین بھی میرے ساتھ ہے".اس نے فرنچ فرائز لاتی ہوئی شہرین کی طرف اشارہ کیا۔

"لو کھاؤ اور عیش کرو، تم بھی یاد کرو گی کسی رئیس سے پالا پڑا تھا."

شہرین دونوں ہاتھوں میں بمشکل گرم گرم فرنچ فرائز سنبھالتی لائی تھی اور اپنی محویت میں میجر صاحب کو دیکھا ہی نہیں تھا۔

"بھئی تھوڑے فرنچ فرائز ہمیں بھی مل جائیں تو ہم بھی یاد رکھیں گے کہ کسی رئیس سے پالا پڑا ہے"۔

میجر صاحب نے اسے خود ہی اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"جی"۔

شہرین نے حیرت سے پہلے ان کی پھر ایمل کی طرف دیکھا۔

"ریٹائرڈ میجر جہانزیب احمد, میرے ساتھ والے اپارٹمنٹ میں رہتے ہیں."

ایمل نے سادگی سے ان کا تعارف کروایا۔

"اوہ، تو آپ ایمل کے پڑوسی ہیں۔ پلیز، لیں نا". شہرین نے پیکٹ ان کی طرف بڑھایا۔

"تھینک یو."

میجر صاحب نے چند فرائز نکال کر اپنے منہ میں رکھ لئے۔

"ویسے گرلز! تم لوگ مجھے اچھے ٹائم پر ملیں تھوڑی میری ہیلپ کرونا."

"وائی ناٹ, پلیز بتائیے ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں". شہری نے سچویشن کو انجوائے کرتے ہوئے کہا۔

"آج میری ماں کا برتھ ڈے ہے."

"رئیلی."

ایمل نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں اور مجھے ان کے لیے ایک اچھا سا گفٹ لینا ہے ."

"تو کیا آپ نے پہلے کبھی ان کی کسی کی برتھ ڈے پر گفٹ نہیں دیا."

شہرین کو کچھ حیرت ہوئی

"نہیں گفٹ تو میں انہیں ہر سال ہی اس موقع پر دیتا ہوں لیکن پچھلے کچھ سالوں سے میں

جو بھی ان کے لئے لے کر جاتا ہوں تو وہ کہتی ہیں ارے بیٹا!

یہ کیا تم جوان لڑکیوں والا گفٹ لے آئے ہو میرے لیے، یہ میں کہاں استعمال کروں گی۔

تو تم لوگ مجھے کوئی بوڑھوں والا گفٹ سلیکٹ کرنے میں ہیلپ کرو ."

ان کی اس بات پر دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"سر آپ کو کیا لگتا ہے، ہمیں بوڑھوں کی شاپنگ کا کوئی تجربہ ہو گا."

شہرین نے شرارت سے میجر صاحب سے پوچھا۔

"آف کورس ناٹ، لیکن تم لوگ اپنی ماں کے لئے بھی تو کچھ لیتی ہو گی نا."

میجر صاحب نے اس کی بات پر ہنستے ہوئے کہا تو ایمل ان کے ہنستے مسکراتے چہرے سے نگاہ ہٹانا بھول گئی۔

"ارے سر! کچھ نہ پوچھیں، میری ماں کی چوائس تو مجھ سے زیادہ ینگ ہے۔ وہ تو مجھے ہر وقت ٹوکتی رہتی ہیں۔ یہ کیا ڈل کلر پہن رکھا ہے، یہ کیسے بوڑھوں والے شوز لے آئی ہو، وہ تو سر سے لے کر پیروں تک فل میچنگ میں رہتی ہیں."

شہرین نے مزے سے رخسانہ آنٹی کی چند باتیں انہیں بتائیں۔

"آں ہاں، اور تمہاری ماں وہ بھی شہرین کی ماما جیسی ہیں". انہوں نے ایمل سے پوچھا تھا ۔ایمل نے جواب دیے بغیر منہ دوسری طرف پھیر لیا لیکن اس کی سبز آنکھوں میں اترنے والا کرب میجر صاحب کی زیرک نظروں سے چھپا نا رہ سکا تھا آئیں، اس شاپ میں آنٹی کے لئے کچھ دیکھتے ہیں ."اور پھر وہ ان دونوں سے پہلے خود ہی اس دکان میں چلی گئی ۔میجر صاحب نے ان دونوں کے مشورے پر سفینہ آنٹی کے لیے ایک سوئس ریسٹ واچ خریدی تھی۔

"اوکے گرلز، تھینک یو سو مچ ."

انہوں نے آنکھوں پر ڈارک گلاسز لگاتے ہوئے کہا

"کوئی بات نہیں."

ایمل نے دھیمے سے مسکرا کر کہا

"آپ ایسے ہی یہ گفٹ اپنی ماں کو دے دیں گے "

شہرین نے کچھ حیرت سے پوچھا

"ایسے ہی کیا مطلب، کیسے دینا چاہیے گفٹ". جواباً میجر صاحب نے بھی حیرت سے پوچھا "میرا مطلب آپ ان کا برتھ ڈے سیلیبریٹ نہیں کریں گے."

آپ بتائیں کیسے سیلیبریٹ کریں۔ میں تو ہمیشہ ایسے ہی دے دیتا ہوں."

آپ کو چاہیے کہ ایک خوبصورت سا بکے اور کیک آنٹی کے لئے لے کر جائیں اور جب وہ کیک کاٹیں تو انہیں برتھ ڈے وش کرتے ہوئے یہ گفٹ دیں."

شہرین نے اپنے خیال میں ایک بہترین آئیڈیا دیا نہیں۔

"ہمم۔۔۔آئیڈیا اچھا ہے لیکن کیک کاٹتے وقت تالیاں بجانے والے بھی تو ہونے چاہیے اگر یہ کمی تم دونوں پوری کردو تو اس آئیڈیئے پر عمل کیا جا سکتا ہے."

"شیور سر، وائی ناٹ، بتائیں کب آنا ہے "

میجر صاحب کی دعوت نے شہرین میں جوش و خروش بھر دیا۔اس تھوڑی سی دیر میں وہ ان سے خاصی بے تکلف ہو گئی تھی۔

"بس تم لوگ شاپنگ سے فارغ ہو کر آجاؤ"۔""نہیں۔۔میں، میں اس وقت بزی ہوں۔میں نہیں آسکوں گی"۔

ایمل نے کچھ گھبرا کر کہا۔میجر صاحب کی موجودگی اسے عجیب سے احساس سے دوچار رکھتی تھی۔

"کم آن ایمل، تم تو ایسی بات نہ کرو، تمہیں تو میری ماں بہت یاد کرتی ہیں۔اس خاص موقع پر آجاؤ گی تو وہ بہت زیادہ خوش ہو جائیں گی ."

انہیں ایمل کی بات سے افسوس ہوا۔

"ارے اس کو چھوڑیں سر، یہ تو پہلے ہی آدم بیزار ہے پر میں اس کو کھینچ کانچ کر لے آؤں گی"

میجر صاحب گہری نظروں سے ایمل کے تاثرات نوٹ کر رہے تھے۔

اور پھر واقعی شہرین کھینچ کھانچ کر ایمل کو سفینہ آنٹی کی طرف لے گئی۔ وہ ان دونوں سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔ میجر صاحب کیک لے آئے تھے دونوں لڑکیوں نے مل کر ٹیبل سیٹ کی پھر جب سفینہ بیگم نے کیک کاٹا تو دونوں کے ساتھ مل کر میجر صاحب نے بھی تالیاں بجائیں، جھک کر ماں کے ماتھے پر بوسہ دیا اور سینے سے لگا کر وش کیا۔ اس خوبصورت منظر کو ایمل نے اپنے دل میں اور شہرین نے موبائل میں محفوظ کر لیا تھا۔ وہ دونوں بھی سفینہ بیگم کے لیے ایک خوبصورت کشمیری شال لے کر آئی تھیں۔ اسی پل ڈور بیل بج اٹھی۔ چند لمحوں بعد شکیل ایک گفٹ پیک ہاتھوں میں لیے سفینہ بیگم کے پاس آیا۔

"یہ کوریئر آپ کے لیے لایا ہے."

شکیل گفٹ پیک ٹیبل پر رکھ کر چلا گیا۔

Visit us at. http://novelhinovel.com

NOVEL HI NOVEL

"ماں یہ تو لندن سے ہے."

انھوں نے گفٹ کھول دیا۔اندر چائنیز نقش و نگار سے مزین تین سرونگ باؤل تھے ساتھ میں ایک وشنگ کارڈ بھی تھا جس پر ایک گلاب کا پھول بنا ہوا تھا۔ بھیجنے والے کا ٹیسٹ کمال کا تھا۔کارڈ کے اندر لکھا تھا

" To

my sweet heart, my darling dado. With a big love,

from kashan".

"کاشان."

ایمل نے کارڈ پڑھ کر سوالیہ نظروں سے میجر صاحب کی طرف دیکھا۔

"بیٹا ہے میرا،لندن میں پڑھتا ہے۔۔۔وہ."

انھوں نے اپنے دائیں جانب کی دیوار کی طرف اشارہ کیا جہاں ایک نہایت خوبرو اور شوخ لڑکے کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ سفینہ بیگم اتنی ڈھیر ساری محبتیں ایک ساتھ پا کر آبدیدہ ہو رہی تھیں۔

"ماں! کاشان کا میسج ہے آپ کو اسکائپ پر کال کر رہا ہے۔ آپ تھوڑی دیر اس سے بات کر لیں."

میجر صاحب نے موبائل پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے کہا۔

"ارے پر یہ بچیاں کیا سوچیں گے مہمانوں کو چھوڑ کر میزبان غائب ہو گئے وہ اپنے پوتے سے بات تو کرنا چاہ رہی تھی پر انہیں اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ ان بچیوں کو چھوڑ کر خود کمپیوٹر کے سامنے جا بیٹھیں۔

"ارے نہیں آنٹی! آپ بات کریں, ہم اب چلتے ہیں، پھر کبھی آ جائیں گے."

ایمل نے موقع غنیمت جان کر نکلنا چاہا۔

"اچھا جناب! آپ تو چلی جائیں گی اور وہ اتنا بڑا پیزا جو میں آپ لوگوں کے لئے لایا ہوں وہ میں اکیلا کیسے کھاؤں گا ماں اور شکیل تو صرف دیسی کھانا ہی کھاتے ہیں."

"ایسی بات ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں، ہم آپ کا پیزا کھانے میں بھرپور ساتھ دیں گے
".

"شہرین ."

ایمل نے دبی آواز میں غصے سے شہرین کو پکارا جانتی تھی کہ پیزا اس کی کمزوری ہے اب وہ اور پھیل جائے گی۔

گڈ ، یہ ہوئی نہ بات۔ آپ لوگ بیٹھو میں ابھی آتا ہوں."

پھر وہ سفینہ بیگم کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

"شہرین یہ اچھی بات نہیں ہے."

ان کے جاتے ہی ایمل نے اندر دبے ہوئے غصے کو آزاد کیا۔

"چل ناں یار! اپنے اپارٹمنٹ میں جا کر بھی تو ٹی وی ہی دیکھنا ہے تو یہاں دیکھ لیتے ہیں
".

شہرین مزے سے صوفے پر ٹانگیں اوپر کر کے بیٹھ گئی اور چینلز سرفنگ شروع کر دی۔

ایمل کچھ دیر بے مقصد ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر ایک کمرے کی جانب بڑھ گئی یہ اس کے اپارٹمنٹ کے مقابلے میں کافی بڑا اپارٹمنٹ تھا اور اس کا اسٹرکچر بھی بالکل الگ تھا۔

کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھول کر دیکھا تو وہ حیران رہ گئی یہ کمرہ نہیں پوری لائبریری تھی جس کی تین دیواروں میں بڑی بڑی الماریاں نصب تھیں۔ چوتھی دیوار کے آگے بڑی سی ٹیبل اور اس کے پیچھے ریوالونگ چیئر تھی۔ ٹیبل پر لیمپ، لیپ ٹاپ اور کافی ساری فائلز رکھی ہوئی تھیں۔ ایمل کی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری کتاب بھی تھی اس لیے اتنی ساری کتابیں دیکھ کر رہ نہیں پائی۔ وہ ایک ایک الماری کے پاس جا کر دیکھنے لگی۔ تمام کی تمام کلیکشن لاجواب تھی ایک جگہ وہ رک گئی الماری کے سب سے اوپر والے حصے میں اسے ہسٹری آف گاڈ نظر آئی تھی۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اوپر کی طرف اٹھا پر وہ کتاب اس کی پہنچ سے باہر تھی۔ اس نے مایوس ہو کر ہاتھ کھینچ لیا۔

"میں اتار دوں". خوبصورت، مدھم، سرگوشی بن کر کانوں میں رس گھولتی آواز ایک بار پھر اسے چونکا گئی تھی۔ کتابوں کی دنیا میں وہ ایسی کھوئی تھی کہ اسے پتا بھی نہ چلا کب وہ اندر آئے اور اس کے انہماک کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے قریب چلے آئے ۔ وہ اس کے پیچھے سے سامنے آئے اور ہاتھ بڑھا کر کتاب اتار لی۔ وہ اس کے اتنے قریب

تھے ان کے وجود سے اٹھنے والی مہک ایمل کے وجود میں اترنے لگی۔انہوں نے کتاب ایمل کی طرف بڑھائی پر وہ کتاب کی طرف کیا دیکھتی اس کی نظروں نے تو ان کے دلکش چہرے سے ہٹنے سے انکار کر دیا تھا۔چند لمحے انہوں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا لیکن کچھ سمجھ نہیں پائے۔

"کیا ہوا؟ ".

ان کی آواز سن کر وہ حواسوں میں واپس آئی۔

"جی..کچھ نہیں۔۔ وہ،سوری میں بغیر اجازت کے اندر آگئی ." اس نے فوراً کتاب ان کے ہاتھ سے لے کر معذرت کی۔

"اچھا کیا،اگر تم ایسے نہ آتیں تو مجھے کیسے پتا چلتا کہ ان کتابوں کا میرے علاوہ بھی کوئی قدردان ہے"۔

ان کی اس بات پر ایمل نے مسکرا کر کتابوں کی طرف دیکھا

"کتاب میری کمزوری ہے۔میں بہت چھوٹی تھی تب میرے پاپا میرے لئے چھوٹی چھوٹی اسٹوری بکس لاتے تھے پھر جیسے جیسے میں بڑی ہوتی گئی کتابیں بھی بڑی ہو گئیں

۔ہم دونوں نے مل کر اپنی ایک چھوٹی سی لائبریری بنائی تھی۔ہر ماہ اس میں ایک دو نئی کتابوں کا اضافہ ہو جاتا تھا."

بات کرتے کرتے اس کی نظر میجر صاحب پر پڑی تو اسے احساس ہوا کہ وہ اس کے چہرے کی کتاب کو بہت دلچسپی سے پڑھ رہے تھے اس نے خاموشی سے چہرہ جھکا دیا۔

"چپ کیوں ہو گئیں، بولو نا، تم کم بولتی ہو پر اچھا بولتی ہو"

"میرے پاپا کہتے تھے، زیادہ بولنے سے بعض اوقات انسان اپنی عزت کم کروا لیتا ہے".

"پاپا سے بہت محبت تھی."

"وہی تو تھے میرا سب کچھ اور اب ان کی یادیں ہی میرا کل اثاثہ ہیں"۔

"اور ماما، ان سے محبت نہیں تھی"۔

وہ اس کی آنکھوں میں اترنے والا کرب ابھی تک نہیں بھولے تھے۔

"ان سے بھی تھی ماں سے تو محبت ہوتی ہی ہے". اس کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی تھی۔

"شہرین باہر اکیلی ہو گی اس کے پاس چلتے ہیں". ٹاپک لمبا نہ ہو جائے اس لیے اس نے راہ فرار چاہی۔

"ایمل."

میجر صاحب کی آواز پر اس کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

"کہہ دینے سے دل کا بوجھ کم ہو جاتا ہے."

"پر، کچھ دکھ ایسے پھوڑوں کی مانند ہوتے ہیں جو پھوٹ جائیں تو ہر طرف تعفن ہی تعفن پھیلا دیتے ہیں ." یہ کہتے ساتھ ہی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی لیکن اس کی آنکھوں میں اترنے والی اذیت دیکھ کر ان کے قدم وہیں جم گئے تھے۔

آج آفس سے اٹھتے اٹھتے اسے کافی ٹائم ہو گیا تھا۔ جیسے ہی وہ آفس سے باہر آئی اس کا فون بج اٹھا "سفینہ آنٹی کالنگ". اس نے کال رسیو کی

"السلام علیکم ،جی آنٹی کہیے ."

"وعلیکم السلام، جیتی رہو،ایمل بیٹا!ایک کام تھا اگر کر سکو تو.."۔

"جی آنٹی، ضرور، کہیے نا."

"بیٹا میں اس وقت ایبٹ آباد میں ہوں۔ شکیل بھی میرے ساتھ ہے یہاں ہماری زمینوں کا کچھ مسئلہ تھا ویسے تو جہاں زیب ہی تمام معاملات سنبھالتا ہے لیکن کل رات اسے بخار ہو گیا۔وکیل سے ملنا ضروری تھا اس لیے اسے آرام کرنے کا کہہ کر میں شکیل کے ساتھ آگئی سوچا تھا شام سے پہلے واپس آ جاؤں گی مگر یہاں بہت تیز بارش ہو رہی ہے شکیل اتنا اچھا ڈرائیور نہیں ہے اس لیے جہاں زیب واپس آنے سے منع کر رہا ہے اور وہاں اس کا بخار تیز ہو گیا ہے بخار میں اس کی آنکھیں سرخ ہو کر جلنے لگتی ہیں ابھی مجھے یاد آیا کہ جو ڈراپس وہ استعمال کرتا ہے وہ ختم ہو گئے ہیں اگر تم اس کے لیے ڈراپس لے جا سکو تو۔۔۔". وہ چپ ہو گئیں.

"ضرور آنٹی، میں لے جاؤں گی۔آپ مجھے ان ڈراپس کا نام نوٹ کروا دیں."

مارگلہ ٹاور کی طرف آتے ہوئے اس نے ایک میڈیکل اسٹور سے ڈراپس خریدے۔اس کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ میجر صاحب سے اس کا سامنا نہ ہو پر ان کے بیمار ہونے کا سن کر وہ اندر سے بے چین ہو گئی۔فورتھ فلور پر آتے ہی وہ ان کے اپارٹمنٹ کی طرف آئی۔

بیل بجانے کے کافی دیر بعد دروازہ کھلا۔بلیک شلوار قمیض میں آف وائٹ شال کاندھوں پر ڈال دے وہ اس کے سامنے تھے۔بال کچھ بکھرے ہوئے،چہرے پر تھکن کے آثار اور آنکھوں میں گہری سرخی،وہ دیکھتی چلی گئی۔

"السلام علیکم."

"وعلیکم السلام،کیسی ہو."

آج انہوں نے اسے اندر نہیں بلایا تھا۔

"ٹھیک ہوں،میں آپ کے لیے یہ ڈراپس لائی تھی"اس نے ڈراپس ان کی طرف بڑھائے۔

"ارے۔۔تمہارے پاس یہ کیسے ."

ڈراپس دیکھ کر انہیں حیرت کا جھٹکا لگا۔

"مجھے سفینہ آنٹی نے بتایا تھا."

"اوہ۔۔میری ماں، گریٹ یو آر"۔

انہوں نے آنکھیں بند کر کے سفینہ آنٹی کو خراج تحسین پیش کیا۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے،ڈاکٹر کو دکھایا."

"ہوں۔۔دکھایا تھا پر دوائی نہیں لی ابھی تک."

"کیوں."

"کچھ کھانے کا دل نہیں چاہ رہا ابھی ،کچھ کھاؤں گا تو دوائی لوں گا."

"اوکے،آپ آرام کریں میں چلتی ہوں."

یہ کہہ کر وہ اپنے اپارٹمنٹ کی طرف آ گئی۔اپنے معمولات نبٹاتے ہوئے اس کا دھیان میجر صاحب کی طرف لگا رہا تھا۔کھانا کھانے بیٹھی تو خیال آیا پتا نہیں انھوں نے ابھی تک کچھ کھایا ہو گا یا نہیں پھر اس سے کھانا کھایا ہی نہیں گیا۔اس نے اپنے سامنے رکھے برتن سمیٹے اور چکن کارن سوپ بنانے لگی ایک باؤل میں سوپ نکال کر ان کے اپارٹمنٹ کی

طرف آگئی۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ کھل گیا شاید اس کے جانے کے بعد وہ دروازہ اندر سے بند کرنا بھول گئے تھے۔ اندر آکر اس نے دروازہ بند کیا آج اسے کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا بس وہ یہ چاہتی تھی کہ میجر صاحب جلدی سے کچھ کھا کر دوائی لے لیں لاونج میں کوئی نہیں تھا یقیناوہ اپنے بیڈ روم میں ہوں گے اس نے ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹایا وہ کمرے میں بھی نہیں تھے۔ بیڈ کی چادر اور کمبل بے ترتیب تھے۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی اس نے آگے بڑھ کر باؤل بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا تو ساتھ ہی اس کی نظر تکیے پر رکھے فوٹو فریم پر گئی اس نے اٹھا کر دیکھا تو ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی کی کافی پرانی تصویر تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ پلٹی میجر صاحب تو لیے سے منہ صاف کرتے باہر آرہے تھے اسے دیکھ کر چونک گئے۔

"تم۔۔۔اس وقت یہاں."

وہ اس کی احتیاط پسند طبیعت سے واقف تھے۔

"میں آپ کے لیے سوپ لائی ہوں". اس نے فریم واپس تکیہ پر رکھا اور سوپ کا پیالہ ان کی طرف بڑھایا

"شکریہ، اس زحمت کی کیا ضرورت تھی میں کچھ نہ کچھ لے لیتا "

جواباً وہ خاموش رہی۔

"بیٹھو."

اس کے ہاتھ سے پیالہ لے کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ سوپ پینے لگے وہ بھی ان کے کہنے پر بیڈ کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔اس کی آنکھیں ان کی سرخ آنکھوں پر جمی تھیں۔ایمل کے لیے اس دنیا میں کسی بھی مرد کی سرخ آنکھوں سے زیادہ کراہیت انگیز چیز کوئی نہیں تھی پر یہ کیسی آنکھیں تھیں جن کی سرخی اسے ان آنکھوں میں ڈوب جانے کی دعوت دے رہی تھی اسے ہوش وحواس سے بیگانہ کر رہی تھیں۔اس کا بے باکانہ رویہ میجر صاحب کو الجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔کچھ دیر بعد انہوں نے نظریں اٹھائیں اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ ہی لیا

"کیا ہوا؟."

"جی ."

ان کے اس طرح پوچھنے پر وہ چونک گئی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو "۔

"وہ میں دیکھ رہی تھی کہ آپ کی آنکھیں تو ابھی بھی بہت سرخ ہو رہی ہیں"۔

اس کی بات سن کر وہ ایک بار پھر اطمینان سے سوپ پینے لگے

"ہاں۔۔ابھی ڈراپس ڈالے ہی نہیں"

"یہ تصویر آپ کی۔۔۔"

وہ پوچھتے پوچھتے رک گئی۔انہوں نے سر گھما کر تصویر دیکھی اور پھر چند لمحے دیکھتے ہی رہے "میری بیوی کی ہے ".

"بہت خوبصورت تھیں شاید اسی لئے آپ نے دوبارہ شادی نہیں کی ".

اس کی بات سن کر میجر صاحب نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

"بات خوبصورتی کی نہیں ہوتی دل کے جذبوں اور محبت کی ہوتی ہے۔ محبت لوگوں کو وہ احساس دیتی ہے کہ محبوب ہو یا نہ ہو کوئی فرق نہیں پڑتا محبت خود وجود میں ڈھل جاتی ہے سچی محبت انسان کو ایسا راستہ دیتی ہے جس پہ انسان بھٹکتا نہیں ".

"میں نہیں مانتی ."

وہ چپ ہوئے تو ایمل بول اٹھی

"محبت اگر اتنی ہی طاقت ور ہوتی ہے تو پھر وہ کیسے بھٹک گیا، میں نے بھی تو اسے سچے دل سے چاہا تھا"۔

میجر صاحب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اف "

یہ کیا ہو گیا، یہ کیا نکل گیا منھ سے، جس راز کو وہ خود سے بھی چھپاتی آ رہی تھی وہ کھلا بھی تو کس کے سامنے۔ وہ ایک دم گھبرا کر اٹھی

"میں چلتی ہوں ."

"ایمل."

انہوں نے نرمی سے اسے پکارا۔ وہ رک گئی مگر ان کی طرف دیکھ نہیں سکی

"بیٹھ جاؤ"۔

وہ بیٹھ گئی نظر قالین کے ڈیزائن میں الجھی رہی

"دکھوں کا مواد بہہ جائے تو دل کے زخم بھر جاتے ہیں۔ مسیحائی ان پر مرہم رکھتی ہے۔ زندگی میں کسی نہ کسی کو مسیحا بنانا ہی پڑتا ہے جو ایسا نہیں کرتے ان کی زندگی کوڑھیوں کی مانند ہو جاتی ہے کیوں اپنی زندگی کو اذیت میں ڈالتی ہو، کہہ دو جو دل میں ہے."

ایمل کی آنکھوں میں نمی اترائی اس نے نم آنکھوں سے ان کی سرخ آنکھوں کی طرف دیکھا۔ان آنکھوں میں مسیحائی کا وعدہ تھا کچھ ماحول کا فسوں بھی تھا۔اس نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا اس کے دکھ اس کے لفظوں میں بہنے لگے۔

****

حافظ خلیق احمد جہلم سے چند کلو میٹر دور گاؤں نو گراں کے رہنے والے تھے۔نہایت شریف النفس پرہیزگار صوم وصلوۃ کے پابند انسان تھے فرہاد احمد ان کی اور سکینہ بی بی کی اکلوتی اولاد تھے ۔ ورثے میں ماں باپ سے نیک فطرت، نرم لہجہ اور کردار کی خوبیاں پائی تھیں۔ غریب ماں باپ نے دن رات محنت کرکے اچھی تعلیم دلوائی تھی پر اب تین سال سے ایم اے معاشیات کی ڈگری جگہ جگہ لئے پھرتے تھے لیکن کہیں جاب نہیں مل رہی

تھی۔پر کوئی رشوت مانگتا یا پھر سے سفارش اور وہ دونوں چیزیں دینے سے ہی قاصر تھے رشوت کو ان کا دل نہیں مانتا تھا اور سفارش ان غریبوں نے کہاں سے لانی تھی سو آج کل وہ قسمت کے رحم و کرم پر تھے۔دروازے پر دستک ہوئی تو سکینہ بی بی تسبیح ہاتھ میں لئے کمرے سے باہر آئیں۔

"اقبال پتر ! تو ہے."

دروازے کی طرف قدم بڑھاتے انہوں نے پوچھا

"جی اماں جی، فرہاد آیا یا نہیں."

سکینہ بی بی نے دروازہ کھولا

"ہاں پتر ! آتو گیا ہے، کچھ پریشان تھا آتے ہی نہ جانے کدھر چلا گیا، روٹی کھائی نہ پانی پیا، جاتے جاتے کہہ گیا تھا اقبال آئے تو اسے خانو کے ہوٹل بھیج دینا، جا تو میرا پتر ! پتا تو کر سب خیریت ہے نا، اسے بلا لا تو میں بھی کھانا کھا لوں"۔

ان کی آواز کی نقاہت بتا رہی تھی کہ صبح سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا

"کیوں فکر کرتی ہیں اماں جی! خیر خیریت سے گاؤں آ گیا ہے تو سب ٹھیک ہے آپ کھانا گرم کرو میں اسے لے کر آتا ہوں پھر میں بھی آپ کے ساتھ ہیں کھانا کھاؤں گا."

"بسم اللہ، کیوں نہیں میرا پتر! جا جلدی سے اسے بلا لا. "

دن کے تین بجے خانو کے ہوٹل پر رش برائے نام تھا اقبال نے دور ہی سے فرہاد احمد کو دیکھ لیا تھا۔وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھی بنائے ٹیبل پر رکھے بیٹھے تھے۔

کہاں چلا گیا تھا یار آتے ہی بغیر بتائے، اماں جی گھر میں پریشان ہو رہی ہیں."

اقبال نے آہستہ سے ان کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"حکیم چاچا کی طرف چلا گیا تھا ."

فرہاد نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بتایا "خیریت، وہاں کیوں گیا تھا."

اقبال نے سلور کے جگ سے شیشے کے گلاس میں پانی نکالتے ہوئے پوچھا

"فون کرنے گیا تھا"۔

"کسے "

"فیض کو. "

"فیض کو امریکہ ؟ "

اقبال کی حیرت دوچند ہوئی

"ہاں"۔

فرہاد نے ٹھنڈے سانس بھری اور ہوٹل سے باہر خانو کی گائے کو ادھر ادھر گھومتے دیکھنے لگے۔

"کیوں، کیا ہوا، سب خیریت ہے نا"

"ہوں۔۔۔سب خیریت ھی ہے. "

فرہاد کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"اچھا یہ بتا تیرے انٹرویو کا کیا ہوا"۔

"وہی یار جو ہمیشہ ہوتا ہے۔ کچھ بھی اچھا نہیں ہے میرے پاس بتانے کو."

"اچھا چل چھوڑ، گھبرانا، اللہ مسبب الاسباب ہے جلد ہی کوئی اچھی نوکری مل جائے گی تجھے."

ہمیشہ کی طرح آج بھی اقبال نے تسلی دے کر ان کی ہمت بندھانی چاہی تھی۔ جواب میں ایک طنز بھری دکھی مسکراہٹ ان کے لبوں کو چھو گئی "کچھ بھی اچھا نہیں ہو سکتا یہاں، آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ یہاں کے سسٹم میں ہم جیسوں کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں پر اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے اقبال میں ڈگریوں کا کشکول اٹھا کر جگہ جگہ نوکری کی بھی نہیں مانگوں گا شہر سے آتے ہوئے میں پاسپورٹ کے لیے اپلائی کر آیا ہوں ."

"پاسپورٹ۔۔۔ کیوں اس کا کیا کرے گا"۔

اقبال فرہاد کی بات سن کر دکھی تھا لیکن پاسپورٹ والی بات نے اسے حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔

"میں نے فیض کو فون کر دیا ہے وہ وہاں سے میرے سٹوڈنٹ ویزا کے لئے کاغذات جمع کروا دے گا۔ پچھلی بار جب وہ آیا تھا تو اس نے مجھے کہا تھا کہ میں امریکہ آ جاؤں تو وہ مجھے سیٹ کروا دے گا."

"کیا۔۔ تو امریکہ چلا جائے گا اور یہاں تیرے بوڑھے ماں باپ کا کیا ہو گا انہیں کس کے آسرے پر چھوڑ جائے گا۔ وہ دونوں تجھے دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں، کیا زندہ مارنا چاہتا ہے انہیں ۔۔ کیا ہو گیا ہے یار تجھے ." اقبال کو حیرت کے ساتھ دکھ ہوا اس کی بات سن کر۔

"انسان کو اپنی زندگی سنوارنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے اقبال, آخر تو ہی بتا کب تک نوکری کے لیے جوتیاں چٹخاتا پھروں یا پھر اتنا پڑھ لکھ کر ابا جی کی چھوٹی سی کریانے کی دکان پر بیٹھ کر چار چار آٹھ آٹھ پیسے والی گولی ٹافی بیچوں۔ عمر کے چھبیسویں سال میں لگ گیا ہوں اماں ہر وقت میری شادی کے خواب دیکھنے لگی ہے نوکری ملے نہ ملے اس نے سال دو سال میں میرے سر پر سہرا باندھ دینا ہے، کیا یہ ذمہ داری اٹھا پاؤں گا میں۔ آگے اولاد ہو گی تو کیا اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوا سکوں گا یا میری اولاد بھی ٹاٹ پر بیٹھ کر تختیاں لکھے گی اور پھر کچھ ہی عرصے کی تو بات ہے میں اماں ابا جی کو بھی بلوا لوں گا."

فرہاد کی بات تلخی سے شروع ہو کر نرمی پر ختم ہو گئی۔

دو ماہ بعد ایک دن اچانک فرہاد نے اقبال کا دروازہ پیٹ ڈالا۔ جیسے ہی اقبال باہر آیا فرہاد خوشی میں اس سے لپٹ گئے۔

"اوہ۔۔ شکر الحمد للہ، آج میرا یار بہت خوش ہے لگتا ہے نوکری مل گئی"۔

اقبال نے بھی کس کر فرہاد کو بھینچ لیا وہ مسکراتے ہوئے الگ ہوئے۔

"نہیں یار! نوکری تو نہیں ملی پر آج مجھے امریکہ کا ویزا ضرور مل گیا، یہ دیکھ"۔

فرہاد نے جیب سے پاسپورٹ نکال کر اقبال کو دکھایا۔اقبال نے فرہاد کو حیرت سے دیکھا پھر کچھ دکھ سے اس کے ہاتھ سے پاسپورٹ لے کر دیکھنے لگا۔

"تو آخر تو نے جانے کا فیصلہ کر لیا، میرے سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہوا تجھ پر"۔

"ایسی بات نہیں ہے اقبال"۔ فرہاد نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں نے خود کو قسمت کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ویزہ لگ جاتا تو میری قسمت اور اگر نہیں لگتا تو یہیں کچھ کرنے کا سوچا تھا اب دیکھ قسمت نے فیصلہ سنا دیا سالوں دھکے کھانے

کے باوجود نوکری نہیں ملی اور ویزہ دو مہینے میں مل گیا ورنہ تو جا کر دیکھ میرے یار لوگ کیسا کیسا خوار ہو رہے ہیں امریکہ کے ویزے کے لیے."

اقبال چند لمحے خاموش رہا، پھر پوچھا

"اور اس کی فیس کے لیے تیرے پاس پیسے کہاں سے آئے"۔

"وحید سے ادھار پکڑا ہے."

"اب ٹکٹ کیسے خریدے گا."

"اماں نے میری شادی کے لیے کچھ زیور اور پیسے جوڑ کر رکھے ہیں وہی مانگوں گا."

"چل بتا پھر، اقبال سے کیا چاہیے."

"نہیں یار، ابھی کچھ نہیں لیکن شاید زندگی میں بہت کچھ مانگ لوں"۔

فرہاد نے ایک بار پھر تڑپ کر اقبال کو گلے لگا یا۔

****

وہ رات فرہاد احمد کے لئے بہت کٹھن تھی۔ان کی آنے والی زندگی کا فیصلہ اسی رات ہونا تھا

رات کھانا کھانے کے بعد حافظ خلیق احمد صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ کر حقہ پینے لگے اماں

ان کے ساتھ بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگیں۔کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد فرہاد احمد

نے جھجھکتے ہوئے بات شروع کی

"وہ۔۔۔ابا جی آپ سے ایک بات کرنی تھی."

حافظ لئیق احمد کی سوالیہ نگاہیں ان کی طرف اٹھیں تو انہوں نے آہستہ آہستہ ساری بات

بتا کر باقاعدہ امریکہ جانے کی اجازت طلب کی۔

"فرہاد! یہ تو نے کیا کیا پتر، ہمیں چھوڑ کر جانے کا فیصلہ ایسے کیسے کر لیا تو نے؟ کیا اس دن

کے لیے پیدا کیا تھا تجھے کہ ہم بوڑھے ہوں تو تو ہمیں چھوڑ کر چلا جائے. تو میری ایک ہی

اولاد ہے، نا! میرے کون سے دس پتر ہیں جو میں تجھے بھیج دوں، میں تجھے نہیں جانے

دوں گی سن لے."

سکینہ بی بی کی آنکھوں سے آنسو پہلے نکلے تھے بات بعد میں۔فرہاد نے بے بسی سے مدد طلب نظروں سے اباجی کی طرف دیکھا وہ انہیں دکھی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔بہت ہی بردبار اور موقع کی نزاکت کو دیکھ کر بات کرنے والے بندے تھے۔

"اتناسب کچھ چپ چاپ اکیلے ہی کر لیا بتایا بھی نہیں"۔

"اباجی میں نے سوچا تھا ویزا لگ گیا تو...اگر نہیں لگتا تو میں نے یہیں کچھ نہ کچھ کرنا تھا مگر اباجی ! میں یہاں کے سسٹم سے مایوس ہو چکا ہوں اگر کوئی چھوٹی موٹی نوکری لگ بھی جاتی تو میرا ذہن اسے قبول نہ کرتا۔میرے کچھ خواب ہیں،آپ دونوں جانتے ہیں شہر میں بنگلہ گاڑی اچھی نوکری یا کاروبار کے لیے بہت سا پیسہ چاہیے اور اتنا پیسہ میں یہاں ساری عمر محنت کرتا رہوں گا تو بھی نہیں کما پاؤں گا اور اگر امریکہ چلا گیا تو چند سالوں میں ہی کما لاؤں گا۔انسان کے کچھ خوابوں کی حقیقت سرابوں جیسی ہوتی ہے بیٹا،ساری عمر پانی سمجھ کے ریت کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے اور جو کہیں چند گھونٹ مل بھی جائیں تو اس کی پیاس نہیں بجھتی۔اللہ پر توکل کرنا سیکھ بیٹا اور خوابوں کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دے،جو قسمت میں ہے اور جتنا قسمت میں ہے اتنا ہی ملے گا."

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ابا جی مجھے اختلاف نہیں پر کوشش بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے بنا کوشش کے تو کچھ نہیں ملتا."

"وہ کوشش یہاں رہ کر بھی تو ہو سکتی ہے."

تین چار سال سے مسلسل کوشش میں ہی تو ہوں ابا جی، جب کچھ نہیں ہو سکا تب ہی تو یہ قدم اٹھایا ہے اور پھر چند سالوں کی تو بات ہے میں وعدہ کرتا ہوں جلد واپس آجاؤں گا."

"پتر جب تو شہر پڑھنے کے لئے جاتا تھا نا تو میں پیچھے سارا وقت گھنٹے ہی گنتی رہتی تھی کہ اتنے گھنٹے ہو گئے تجھے گئے ہوئے اور اتنے گھنٹے رہ گئے تیرے آنے میں پر پتر سالوں کے گھنٹوں کی گنتی تو مجھے نہیں آتی."

فرہاد احمد نے تڑپ کر ماں کے قدم پکڑ لئے۔

"ایسی باتیں نہ کریں اماں جی آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں بھی آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا، گیا وقت لوٹ کر نہیں آتا اور اگر یہ وقت میرے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر شاید ترقی کا اس سے اچھا موقع نہ مل سکے."

"سکینہ! ہم نے آج تک جو کچھ بھی کیا اس کی خوشی کے لئے ہی کیا ہے۔ اسے اجازت دے دے، کہیں یہ نہ ہو کل کو اس کے دل میں ہمارے لیے یہ بات رہ جائے کہ یہ ہماری وجہ سے بڑا آدمی نہ بن سکا."

اباجی کی اس بات پر وہ اندر سے کٹ کر رہ گئے وہ جانتے تھے کہ ماں باپ کی اجازت میں ان کے دل کی خوشی شامل نہ تھی اور پھر آنے والے وقتوں میں انہوں نے جان لیا کہ جس بات میں ماں باپ کی خوشی شامل نہ ہو اس کے نتائج اچھے نہیں نکلتے۔

پھر چند دن بعد ہی وہ نیویارک ائیر پورٹ کے باہر فیض سے گلے مل رہے تھے فیض سے فرہاد احمد اور اقبال کی دوستی کالج میں ہوئی تھی وہ جہلم شہر میں رہتا تھا اور سال قبل امریکہ آیا تھا فیض نے فرہاد احمد کو بخوشی امریکہ بلا لیا تھا اور دو دن کے بعد ہی اس نے انہیں بتا دیا تھا کہ یہاں ڈالرز انہیں اپنی محنت کے بل بوتے پر کمانے ہوں گے۔

تیسرے دن سے انہوں نے کام ڈھونڈنا شروع کیا اور شام تک وہ ایک سپر اسٹور میں بطور سیلز بوائے کے کام حاصل کر چکے تھے وہیں ان کی ملاقات سٹور میں شاپنگ کے لیے آنے

والے ابو بکر سے ہوئی جس نے انہیں ٹیکسی چلانے کا مشورہ دیا ہے نہیں بلکہ اسی نے انھیں ٹیکسی چلانا سکھائی بھی۔چند مہینوں میں ہی انھوں نے ایک نسبتاً بہتر علاقے میں چھوٹا سا کمرہ کرائے پر لے لیا اس مکان کے مالکوں میں ایک بوڑھی عورت مسز جوزف اور اس کی جوان بیٹی مارٹینا شامل تھیں۔ مسز جوزف ایک بیوہ خاتون تھیں جینیفر ڈیپار ٹمنٹل سٹور کی مالک۔مارٹینا ان کی اکلوتی اولاد تھی مسٹر جوزف کے حد سے زیادہ لاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا تھا مسٹر جوزف کی موت کے بعد مسز جوزف کاروباری معاملہ میں الجھیں تو وہ بالکل ہی ہاتھوں نکل گئی۔فرہاد کی مسز جوزف سے تو روزانہ ہی ہیلو ہائے ہوتی پر مارٹینا کبھی کبھی ہی دکھائی دیتی تھی۔

ایک رات گیارہ بجے واشنگٹن اسکوائر پارک کے سامنے سے گزرتے ہوئے اچانک ہی وہ ان کی ٹیکسی کے سامنے آ گئی اور اگر وہ بروقت بریک نہ لگاتے تو عین ممکن تھا وہ ٹیکسی کے نیچے کچلی جاتی۔

"تمھارا دماغ تو ٹھیک ہے لڑکی۔اگر خودکشی کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو کسی امیر کی گاڑی کے نیچے آؤ نا، مجھ غریب کو کیوں اپنے ساتھ مارنا چاہتی ہو"۔

انہوں نے گاڑی کی کھڑکی سے سر نکال کر غصے سے کہا ۔اتنے میں وہ بھاگ کر ان کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی انہوں نے گھور کر اسے دیکھا تو پتہ چلا وہ مارٹینا تھی۔

"چلو۔۔۔جلدی چلو "۔

وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔

"کہاں چلوں؟ ."

انہیں اس کے اس انداز پر تعجب ہوا

"اوہو۔۔۔کہیں بھی چلو پر یہاں سے نکلو فورا."

اس کا لہجہ تیز اور سانسیں بے ترتیب تھیں۔اتنے میں انہوں نے دور سے بھاگ کر ادھر آتے کچھ لڑکوں کو دیکھا خطرے کو بھانپ کر انہوں نے فورا ہی ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

"تم اتنی رات کو اکیلی یہاں کیا کر رہی تھیں."

کچھ دور جا کر انھوں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اب اس کے چہرے پر کچھ اطمینان تھا

۔

"میں یہاں اپنی دوست سے ملنے آئی تھی، وہ تو آئی نہیں پر یہ لڑکے میرے پیچھے لگ گئے."

اس نے اصل بات چھپاتے ہوئے انہیں ایک جھوٹی کہانی سناڈالی۔سچ تو یہ تھا کہ وہ خود ان لڑکوں کے ساتھ پارک آئی تھی اور جب ان لڑکوں نے مارٹینا کی جیب گرم کیے بغیر اپنا الو سیدھا کرنا چاہا تو وہ یہاں سے بھاگ نکلی۔جوان اکیلی لڑکی کو چار عیاش لڑکے کیسے اتنی آسانی سے ہاتھ سے نکلنے دیتے،اسی لیے وہ اس کے پیچھے بھاگے تھے۔

****

"تم۔۔۔تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو"۔

وہ ٹیکسی اس کے مالک کے گیراج میں کھڑی کر کے آئے تو مارٹینا ان کے بیڈ پر نیم دراز میگزین پڑھ رہی تھی۔

"تمہارا انتظار"۔

اس نے میگزین سائیڈ ٹیبل پر رکھا مگر بیڈ سے اٹھنا گوارا نہ کیا

"کس لئے."

انہیں مارٹینا کو اپنے بیڈ روم میں دیکھ کر عجیب طرح کی الجھن محسوس ہونے لگی تھی

"تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا اس لیے"۔

اس کی زبان سے یہ نکلا تھا پر دل تو کہہ رہا تھا کہ ایک جوان لڑکی آدھی رات کو ایک لڑکے کے کمرے میں کیوں جاتی ہے ڈفر۔

"یہ کام صبح بھی ہو سکتا تھا، اس وقت آنے کی کیا ضرورت تھی."

انہوں نے چیئر پر بیٹھ کر اپنے جوتے اتارتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہے تھے۔

"ہم۔۔۔ کافی پیو گے."

وہ اٹھ کر ان کی طرف آئی۔

ضرور پیوں گا مگر ابھی نہیں صبح."

انھوں نے آگے بڑھ کر اس کے لیے دروازہ کھول دیا

"ویسے تم بہت عجیب ہو."

اسے ان کا گریز بہت عجیب لگا

"تعریف کا شکریہ."

اس کے باہر قدم رکھتے ہی انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔دروازے کے باہر کھڑی وہ سوچتی رہی کیا کوئی ایسا بھی کر سکتا ہے اس کے ساتھ۔۔۔

"گڈ مارننگ."

فرہاد اپنا کمرا لاک کر کے سیڑھیوں سے نیچے اتر رہے تھے تو انہیں اپنے دائیں ہاتھ پر کچن سے آواز آئی۔انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو مارٹینا ہاتھ میں کافی کا مگ ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔

"گڈ مارننگ , آج اتنی صبح کچن میں".انہوں نے اس کے ہاتھ سے مگ لیتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔انہیں یہاں رہتے ہوئے چا ماہ ہو گئے تھے اور اس عرصے میں وہ انہیں چار پانچ بار ہی گھر پر نظر آئی تھی۔

"تمہارے لیے کافی بنانی تھی اس لئے."

اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

"تھینکس، پر کسی بات کے لئے اتنا سیریس نہیں ہوتے."

"بات اتنی معمولی تو نہیں تھی نا، میری جان بھی جاسکتی تھی ان لڑکوں کے ہاتھوں"۔

"ہاں تو نہ جایا کرو نا اکیلی پارکوں میں، احتیاط کیا کرو."

"مشورے کا شکریہ "اس نے ہنستے ہوئے کہا" ویسے کافی کیسی بنی ہے."

"بہت اچھی."

انہوں نے کپ کاؤنٹر پر رکھا اور اس کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے گھر سے باہر آ گئے۔ یہ ان کی دوستی کی ابتداء تھی۔ اس کے بعد وہ اکثر انہیں رات میں سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی ملتی کبھی صبح ان کے لیے ناشتہ تیار کر دیتی، چھٹی والے دن وہ اکثر کہیں گھومنے پھرنے بھی نکل جاتے

****

"کیا بات ہے کچھ پریشان لگ رہے ہو."

آج وہ کافی دنوں بعد فیض کی طرف آئے تھے۔

"ہاں یار، بس میں اس ڈرائیوری سے مطمئن نہیں ہوں، ٹھیک ہے کمار ہا ہوں پر یہ میری زندگی کی ترجیح نہیں ہے میں اس سے بہتر کرنا چاہتا ہوں ایک تو پر منٹ جاب بھی نہیں ملتی."

فیض انہیں گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا "ہر ملک اپنے لوگوں کو اچھی جاب کے لئے ترجیح دیتا ہے تم بھی یہاں کی شہریت حاصل کر لو پر منٹ جاب مل جائے گی."

"تمہارا مطلب گرین کارڈ، پر وہ مجھے کیسے ملے گا ."

"مل جاتا ہے پر اس کے لیے انویسٹ کرنا پڑتا ہے ."

"اتنا سرمایہ کس کے پاس ہے."

"ایک اور طریقہ بھی ہے."

"وہ کیا."

"شادی کر لو ."

"شادی, جیسے تم نے کر لی"۔

"ہاں، یہاں آنے کے بعد میرا بھی تمہارے جیسا حال تھا لیکن شادی کرنے کے بعد اب میں اسٹیبلش ہو گیا ہوں."

وہ تو ٹھیک ہے فیض پر میں یہ نہیں کر سکتا میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہوں۔ میری ماں کو میری شادی کے بہت ارمان ہیں."

ان کے ماتھے پر گہری سوچ کی لکیریں تھیں

"ہر ماں باپ کو اولاد کے لیے ارمان ہوتے ہیں فرہاد پر یہ ارمان بھی پیسے سے ہی پورے ہوتے ہیں۔ تم اچھی طرح سوچ لو پھر کوئی فیصلہ کرنا."

انہی سوچوں میں گم وہ گھر واپس آئے تو آج بھی انہیں مارٹینا منتظر ملی وہ بھی اس کے ساتھ ہی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے

"کیا ہوا, کیا سوچ رہے ہو."

اس نے انہیں گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر پوچھا انہوں نے اپنے اور فیض کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو اسے بتا دی۔ ساری بات سن کر مارٹینا کی آنکھیں ایک نئے خیال سے جگمگا اٹھیں

"تم فکر نہ کرو فرہاد، جلد ہی تمہاری ساری پریشانی دور ہو جائے گی ."

انہوں نے مارٹینا کو مسکرا کر دیکھا وہ سمجھے شاید بحیثیت دوست کے وہ انہیں تسلی دے رہی ہے۔اگلی رات وہ واپس آئے تو مارٹینا کی بجائے مارٹینا کی بوڑھی ماں مسز جوزف ان کی منتظر تھیں۔

فرہاد مائی سن ! مارٹینا میری اور جوزف کی بڑھاپے کی اولاد ہے میری اور جوزف کی شادی کے اٹھارہ سال بعد گاڈ نے ہمیں مارٹینا کی صورت اولاد سے نوازا۔جوزف کی بڑی خواہش تھی کہ مارٹینا ان کی زندگی میں شادی کر لے۔بڑھاپے کی اولاد ہونے کی وجہ سے یہ ہمارے لاڈ پیار میں کافی بگڑ گئی ہے۔اس کا مزاج کچھ الگ ہے اسے کوئی جلدی پسند نہیں آتا پر میں نے محسوس کیا ہے کہ یہ تم سے بہت متاثر ہے آج اس نے مجھے بتایا ہے کہ تم اپنی ٹیکسی ڈرائیوری کی جاب سے مطمئن نہیں ہو زندگی میں ترقی کرنا چاہتے ہو میں تمہیں ایک آفر دیتی ہوں اگر مناسب لگے تو منظور کر لینا ورنہ تمہاری مرضی ہے."

وہ کافی دیر سے لاؤنج میں بیٹھے مسز جوزف کی باتیں سنجیدگی سے سن رہے تھے۔

میں چاہتی ہوں تم مارٹینا سے شادی کرلو اور جینیفرڈیپار ٹمنٹل اسٹور تم سنبھال لو۔ میں اب کافی بوڑھی ہوگئی ہوں اسٹور سنبھالنا اب میرے بس سے باہر ہوتا جارہا ہے اور مارٹینا کو اس کام میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔ پچھلے چار پانچ مہینوں میں میں نے دیکھا ہے کہ تم ایک ذمہ دار اور شریف انسان ہو۔ میں مخلص لوگوں کی دل سے قدر کرتی ہوں."

یہ کہہ کر مسز جوزف تو اپنے کمرے میں چلی گئیں پر فرہاد احمد کے لیے سوچ کے نئے در وا کر گئیں۔

اگلے دن انھوں نے فیض کو ساری بات فون پر بتا کر مشورہ مانگا تھا۔

"واہ یار! تیری تو لاٹری نکل آئی، اب سوچنے میں دیر نہ لگا فوراً شادی کرلے."

"ہاں۔۔ یہاں میں شادی کرلوں اور وہاں بوڑھے ماں باپ کو کیا کہوں"۔

"کیوں ٹینشن لے رہا ہے یار، مناسب لفظوں میں سمجھا دینا کہ اس کے بغیر گزارا نہیں تھا."

فیض کی باتوں کو ذہن میں رکھ کر انھوں نے کافی سوچا اور بلا آخر مارٹینا سے شادی کا فیصلہ کر لیا۔

"مسز جوزف! مجھے آپ کی آفر قبول ہے مگر میں اپنے مذہب کا پابند ہوں, اگر مارٹینا

بخوشی اسلام قبول کر لے تو میں اس سے شادی کے لیے تیار ہوں ."

مسز جوزف کے کمرے میں اس وقت وہ تینوں موجود تھے۔ مذہب کی بات پر مسز جوزف کے چہرے پر ناگواری چھا گئی پر مارٹینا کو مذہب سے کوئی سروکار نہیں تھا اس کے لیے صرف اس کے دل کی خوشی اہم تھی، سو وہ فوراً رضامند ہو گئی،

"مجھے منظور ہے."

مسز جوزف نے اسے کڑے تیوروں سے دیکھا پر بولیں کچھ نہیں، وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ایک بار وہ جس بات کی ٹھان لے وہ کر کے ہی چھوڑتی ہے اور فرہاد احمد بھی اس کی ضد تھے محبت نہیں۔ جس رات انہوں نے اس کے وجود کی نفی کی تھی اسی رات اس نے فرہاد سے اپنے آپ کو منوانے کی ٹھان لی تھی جائز ناجائز ہر طریقے سے۔ مسز جوزف کو اگر یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ دل سے اسلام قبول کر لے گی تو وہ یقیناً اپنی آفر واپس لے لیتیں مگر وہ جانتی تھیں کہ یہ صرف اس کا چند روزہ شوق ہے اسی لیے انہوں نے کوئی بڑا اقدام نہیں

اٹھایا۔ پھر جس دن مارٹینا نے کلمہ پڑھا اسی دن فرہاد احمد نے نکاح کر لیا اور مارٹینا کا اسلامی نام سارہ رکھا۔ ابتدا میں وہ اسے سارہ سارہ کہتے اس پر اپنی محبتیں نچھاور کرتے رہے مگر اگلے چند دنوں ہی میں اس نے فرہاد احمد کو منع کر دیا کہ اسے سارہ کہہ کر نہ بلائیں۔ کیونکہ ہر کوئی اسے مارٹینا کے نام سے جانتا ہے اگر وہ اپنا نام سارہ سے بدلے گی تو اس کا تماشا بن جائے گا فرہاد احمد کو اس کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ وہ چاہتے تھے کہ سارہ اسلامی شعار کے مطابق زندگی گزارے۔ دونوں کے بیچ بحث بن گئی اور اس سے پہلے کہ بات بڑھتی مسز جوزف دونوں کے بیچ میں آ گئیں نرمی سے دونوں کو سمجھایا پھر فرہاد احمد کو لے کر اسٹور پر آ گئیں۔ ان کے نزدیک دونوں کو تلخی سے بچانے کا حل یہی تھا کہ فرہاد احمد کو ذہنی اور جسمانی دونوں طرح سے مصروف کر دیا جائے اور اس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہیں۔ فرہاد احمد صبح ناشتہ کر کے اسٹور پر چلے جاتے اور رات سات آٹھ بجے تک واپس آتے۔ اسٹور ایک ٹف ٹائم جاب تھی مگر تھی منافع بخش اس لیے وہ پوری ایمانداری اور محنت سے اپنی ڈیوٹی نبھا رہے تھے دوسری طرف مارٹینا ان کے جانے کے بعد اپنی آوارہ گردیوں پر نکل جاتی۔ شادی نے اس کی بری زندگی پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈالا تھا بس یہ تھا کہ

رات کو وہ ان کے آنے سے پہلے واپس آجاتی۔ مسز جوزف نے اسے اپنی ان حرکتوں سے باز رہنے کی تلقین کی پر وہ ماں کو کسی کھاتے میں رکھتی ہی نہیں تھی۔

شروع شروع کے ایک دو مہینے بہت اچھے گزرے مگر فرہاد احمد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ مارٹینا ویسی نہیں ہے جیسی وہ اسے سمجھ رہے تھے دو ماہ بعد ہی مارٹینا کا دل فرہاد احمد سے بیزار ہو گیا مسز جوزف مارٹینا کی حرکتوں سے سخت پریشان تھیں وہ چاہتی تھیں کہ وہ اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو سمجھے اور اپنے شوہر سے بنا کر رکھے لیکن ان کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ عنقریب ایسا کچھ ہونے والا ہے جو اچھا نہیں ہے اور پھر ایک رات وہی ہوا جس کا انھیں ڈر تھا۔ بارہ بجے تک وہ گھر واپس نہ آئی۔ فرہاد احمد اسے بری طرح ڈھونڈتے پھرے۔ اسٹریٹ اسٹیشن پر وہ انہیں نشے میں دھت ڈگمگاتی ہوئی ملی وہ بمشکل اسے کھینچ کھانچ گھر لے کر آئے اور پانی سے بھرا جگ اس پر انڈیل دیا اس کے بعد مغلظات کا ایک طوفان تھا جو اس کے منہ سے نکل رہا تھا چند لمحے وہ برداشت کرنے کی کوشش کرتے رہے اور جب نہیں کر سکے تو انہوں نے کھینچ کر اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ یہ مارٹینا کے منہ پر پڑنے والا اس کی زندگی کا پہلا تھپڑ تھا وہ حیرت اور صدمے سے چند لمحے فرہاد احمد کو دیکھتی رہی پھر ایک

جانب لڑھک کر بے ہوش ہو گئی۔ وہ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے مگر جب وہ ہوش میں نہ آئی تو اسے اٹھا کر قریبی اسپتال لے گئے۔

اس رات کا ایک ایک لمحہ فرہاد احمد پر قیامت کی طرح گزرا تھا صبح ہونے تک انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس رشتے کو یہیں پر ختم کر دیں گے مگر تھوڑی دیر بعد ہی انہیں اپنا فیصلہ بدلنا پڑا جب ڈاکٹر کی رپورٹ ان کے ہاتھ میں آئی اور رپورٹ میں لکھا تھا کہ مارٹینا پریگننٹ ہے زندگی نے انہیں ایک عجیب بے بسی کے موڑ پر لا کھڑا کیا تھا مارٹینا کے ساتھ نبھا کرنا ان کے لیے مشکل تھا اور اپنی اولاد سے دستبردار ہو جانا ناممکن۔۔۔

مارٹینا گھر آ گئی اس کی پوری کوشش تھی کہ بچے اور فرہاد احمد دونوں سے جان چھڑا لے۔

فرہاد احمد اور مسز جوزف دونوں اس کے ہر برے ارادے کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے مسز جوزف بھی چاہتی تھیں کہ وہ اپنے بچے کو جنم دے شاید اسی طرح اس میں اپنی گھریلو ذمہ داریوں کا احساس جاگ اٹھے۔ ان کے بہت زیادہ سمجھانے اور اصرار پر بالآخر وہ بے بی ڈلیور کرنے پر تیار ہو گئی لیکن فرہاد احمد کی وہ صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

حالات کو سازگار بنانے اور آنے والی اولاد کی خاطر انہوں نے مارٹینا سے باقاعدہ معافی مانگی تھی۔ سلگتے دن یوں ہی گزرتے رہے اور پھر ایک دن درد کی اذیتوں کو جھیل کر مارٹینا نے ایمل کو جنم دیا۔زندگی ایمل کی صورت فرہاد احمد کی گود میں آ گئی۔ چھوٹی سی پیاری سی گڑیا کو پا کر مارٹینا بھی خوش تھی۔ فرہاد احمد کی زندگی کے وہ تین خوبصورت سال تھے اس دوران وہ ایک بار بھی پاکستان نہیں گئے تھے مسز جوزف کا اسٹور ان کے دم سے چل رہا تھا ایمل کی پرورش وہ اپنے انداز سے کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ مارٹینا کے ساتھ بھی پیار سے برداشت سے نباہ کرنے کی کوشش کرتے تاکہ وہ پھر سے غلط راستوں پر نہ چل پڑے

۔

زندگی اتنی مصروف ہو گئی تھی کہ ان سے چاہنے کے باوجود بھی پاکستان جانے کے لئے وقت نہیں نکالا گیا لیکن ایک دن وہ پاکستان جانے کے لیے بری طرح بے چین ہو گئے جب اقبال نے انہیں فون پر بتایا کہ اماں جی ان کے انتظار میں اپنی آخری سانسیں گن رہی ہیں فرہاد احمد نے مارٹینا کو ساتھ لے جانا چاہا پر اس نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ وہ چلی گئی تو پیچھے اسٹور کون سنبھالے گا اور پھر ایمل ابھی بہت چھوٹی ہے وہ پاکستان کی گرمی برداشت نہیں کر پائے گی تو وہ اکیلے ہی پاکستان آ گئے اماں جی کی حالت بہت بری تھی فرہاد احمد کی

جدائی ان کے دل کا ناسور بن گئی تھی فرہاد احمد نے اپنے ماں باپ سے بہت کہا کہ وہ ان کے ساتھ امریکا چلیں وہ وہاں ان کا علاج کروائیں گے مگر دونوں نے امریکہ جانے سے بہتر اپنے وطن میں مرنے کو ترجیح دی۔

فرہاد احمد جانتے تھے کہ مارٹینا میں مستقل مزاجی نام کو نہیں ہے وہ اسٹور سنبھال نہیں پائے گی اور پھر ایمل ماں کی بنسبت باپ سے زیادہ قریب تھی مسز جوزف کے لیے اکیلے اسے سنبھالنا بہت مشکل تھا تین ہفتے پاکستان میں رہ کر فرہاد احمد نے واپسی کی تیاری پکڑی جس صبح انھوں نے وطن چھوڑنا تھا اس سے ایک رات پہلے اماں جی دنیا چھوڑ گئیں ایک بار پھر بیٹے کی جدائی کا غم جھیلنے کی ان میں سکت نہیں تھی فرہاد احمد نے چند دنوں کے لئے واپسی منسوخ کر دی۔ سکینہ بی بی کے سوئم کے بعد انھوں نے حافظ خلیق احمد پر زور دینا شروع کیا کہ اب وہ اس کے ساتھ ضرور چلیں۔ انہیں اپنی مجبوریاں بتائیں کہ نہ وہ باپ کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی امریکہ میں اپنی فیملی کو۔ حافظ خلیق احمد ان کی پریشانی سمجھ کر خاموش ہو گئے فرہاد احمد نے ان کے کاغذات بنوانے شروع کیے اور پھر جس دن ان کا ویزہ اور ٹکٹ آیا وہ اپنی شریک حیات کو الوداع کہنے قبرستان گئے جہاں سکینہ بی بی کی قبر کی مٹی نے ان کے پیر پکڑ لئے اور وہ اس مٹی کے ڈھیر پر ہی ڈھیر ہو گئے۔

غم کا ایک پہاڑ تھا جو فرہاد احمد پر ٹوٹا تھا چند دنوں میں ان کے ماں باپ ان کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ گئے تھے۔ پاکستان میں ان کی دنیا اجڑ چکی تھی۔ خالی گھر میں انھیں اماں جی اور ابا جی کی روحیں چلتی پھرتی دکھائی دیتی تھیں۔ انھوں نے دکان اور مکان دونوں کرائے پر چڑھا کر حساب کتاب اقبال کے حوالے کیا اور امریکا واپس آ گئے۔

یہاں بھی زندگی رنگ بدل چکی تھی فرہاد احمد کے پیچھے مارٹینا نے اسٹور سنبھالنا شروع کر دیا تھا چند دن تو سب سہی چلا پھر اس کے پرانے دوستوں کے آنے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا مارٹینا اپنی بد فطرتی کی طرف لوٹنے لگی ہاتھ میں پیسہ بھی کھلا آ رہا تھا سو عیاشی کے راستے کھلتے گئے مسز جوزف ایک بار پھر اس کی طرف سے خوف کا شکار ہو گئیں ایمل پر سے بھی اس کی توجہ ختم ہو گئی تھی دن کو وہ اسٹور کے نام پر جانے لگی اور پھر کبھی آدھی تو کبھی پوری رات گھر سے باہر گزار کر آتی۔ آدھے دن تک سوتی رہتی۔

اس طرح کاروبار بھی متاثر ہونے لگا تین ماہ بعد فرہاد احمد کی واپسی ہوئی تو کاروباری اور گھریلو حالات بگڑ چکے تھے۔

"مارٹینا۔۔مارٹینا، اٹھو اسٹور کی چابیاں دو". امریکہ واپسی کا یہ فرہاد احمد کا دوسرا دن تھا

احساس ذمہ داری کی وجہ سے انہوں نے ایک دن بھی آرام کرنا نہیں چاہا تھا

"تمہیں آپ اسٹور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔میں اچھی طرح سنبھال رہی ہوں تم

اپنے لیے کوئی اور کام تلاش کرلو ."

اس کی باتیں نہیں ایک ہتھوڑا تھا جو اس نے فرہاد احمد کے سر پر دے مارا تھا۔

"کیا... یہ کیا کہہ رہی ہو، تم ہوش میں تو ہو."

"ہاں، میں پورے ہوش میں ہوں."

وہ انگڑائی لے کر بیڈ سے اتری

"تم اسٹور سنبھالو گی تو ایمل کو کون سنبھالے گا، تمہاری ضرورت گھر کو ہے اسٹور کو

نہیں."

انہوں نے اسے رسان سے سمجھانا چاہا جانتے تھے ہتھے سے اکھڑ جائے تو اسے سنبھالنا

مشکل ہو جاتا ہے۔

"اوہ۔۔۔۔ تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں گھر میں پڑی سڑ سڑ کر اپنی زندگی گزاروں اور تم

اسٹور اور اس کی تمام آمدنی سنبھال کر عیش کرتے پھرو، شاید تم یہ بھول گئے ہو کہ یہ

اسٹور میرے ماں باپ کا ہے اور ان کے بعد میرا۔"

حیرت سے فرہاد احمد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اس کی باتیں سن کر چند لمحوں بعد انہوں نے اس

کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے مسز جوزف کے کمرے میں لے آئے۔

"اب بولو جو بول رہی تھیں۔"

ماں کے سامنے مارٹینا کی بولتی بند ہو گئی تھی۔انہوں نے خود ہی مارٹینا کا کہا ہوا ایک ایک لفظ

مسز جوزف کے سامنے دہرا دیا۔

"بتائیں اس کو یہ اسٹور کس نے میرے حوالے کیا تھا میں نے کتنا اس پر قبضہ کیا اور اس کی

آمدنی سے کتنی عیاشی کی۔ کیا میں آپ کو ایک ایک پیسے کا حساب دیتا نہیں رہا۔بتائیں اسے

کہ ایک ایک ڈالر میرے نہیں آپ کے اکاؤنٹ میں جاتا ہے۔"

فرہاد احمد غصے سے کانپ رہے تھے۔

"

یہ کیا بیہودگی ہے مارٹینا؟ تم کس طرح فرہاد سے ایسی باتیں کر سکتی ہو۔اس کی ایمانداری کے بل پر ہی یہ کاروبار اتنے عرصے سے چل رہاہے اور تمہاری خواہش پر ہی یہ سب طے ہوا تھا."

مسز جوزف ان کی ایمانداری سے بہت متاثر تھیں کیونکہ انہوں نے کبھی ایک ڈالر کی بھی ہیرا پھیری نہیں کی تھی اور وہ وہی کچھ لیتے تھے جو انہوں نے مسز جوزف سے طے کیا تھا۔

پر ممی ! یہ تمام کاروبار میرا ہے اگر فرہاد نہ سنبھالتا تو مجھے ہی سنبھالنا تھا اور اب میں نے اچھی طرح سنبھال لیا ہے."

مارٹینا ماں کی بات پر کچھ جز بز ہوئی تھی۔

"مارٹینا ابھی میں زندہ زندہ ہوں یہ کاروبار میرا تھا اور ہے۔فرہاد کے ساتھ میرا لیگل کانٹریکٹ ہے"

فرہاد احمد کو یہ بات سن کر شاک لگا تھا کیونکہ ایسا کوئی کونٹیکٹ نہیں ہوا تھا سب کچھ زبانی کلامی طے ہوا تھا ان کے کہنے پر مارٹینا کو مجبوراً اسٹور کی چابیاں فرہاد احمد کو دینی پڑی تھیں۔

پر ان کے جاتے ہی اس نے وہ طوفان بد تمیزی اٹھایا تھا کہ اللہ کی پناہ، تین سالہ ایمل اپنی ماں کا یہ جنونی انداز دیکھ کر سہم گئی تھی۔

تین ماہ میں اسٹور کے کام میں جو بد عنوانی اور پیسے کی گڑبڑ ہوئی تھی وہ سب فرہاد احمد نے مسز جوزف کے گوش گزار کر دی تھی۔ان باتوں سے مسز جوزف بے حد پریشان ہوئی تھیں کیونکہ انہیں نظر آرہا تھا کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی بیٹی سب کچھ برباد کر دے گی جس کے لیے انہوں نے فوری پیش بندی کر دی اپنا مکان ایمل کے نام کر دیا اور اگلے 18 سالوں کے لئے جینیفر سپر سٹور کے مالکانہ حقوق فرہاد احمد کے نام کر دیئے لیکن اس بات کا انھیں پابند کیا کہ وہ یہ اسٹور بیچیں گے نہ کسی اور کے حوالے کریں گے، 18 سال بعد اس کے مالکانہ حقوق ایمل کو منتقل ہو جائیں گے۔

اس بات کا جب مارٹینا کو پتہ چلا تو وہ غصے سے پاگل ہو گئی گھر کی ایک ایک چیز اٹھا کر پھینکنے لگی وہ پہلے ہی فرہاد کے سامنے اپنی ہتک پر ماں سے ناراض تھی مگر اب تو اس کے حساب سے بات حد سے باہر ہو گئی تھی وہ کسی بھی طرح ماں اور شوہر کے قابو میں نہیں آرہی تھی۔فرہاد احمد اس پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتے تھے کیونکہ امریکی عورتیں برداشت نہیں

کرتیں فوراپولیس کو بلالیتی ہیں اور پھر وہ امریکی پولیس ایشیائی شوہروں کا جو حال کرتی ہے وہ قصے فرہاد احمد نے سن رکھے تھے

ایمل ان سب باتوں سے بے حد خوفزدہ رہنے لگی تھی۔مارٹینا کی آئے دن کی بدتمیزیاں مسز جوزف کو اندر سے ختم کرتی جارہی تھیں اور پھر ایک دن وہ فرہاد احمد کو پریشان اور ایمل کو روتا بلکتا چھوڑ کر چلی گئیں اس گھر میں فرہاد احمد کو مسز جوزف کی ذات سے بہت سہارا تھا کسی نہ کسی طریقے سے وہ مارٹینا کو قابو کرہی لیتی تھیں پر اب آگے کیا ہوگا فرہاد احمد سوچ سوچ کر پریشان تھے۔

****

رات 8 بجے فرہاد احمد گھر لوٹے تو بے ہنگم شور گھر سے باہر آتا محسوس ہوا انھوں نے بیل بجائی تو انتہائی بے ہودہ لباس میں ملبوس ایک امریکی لڑکی کے دروازہ کھولنے پر وہ حیران رہ گئے۔اندر آئے تو منظر ہی عجیب تھا مارٹینا کے علاوہ تین لڑکیاں اور چار لڑکے فاسٹ میوزک پر ہیجان انگیز رقص کررہے تھے شراب کی بوتلیں کھلی ہوئی تھیں اور تقریبا سبھی کے منہ میں نشہ آور سگریٹ موجود تھے۔

"مارٹینا۔۔۔مارٹینا."

"مارٹینا کو متوجہ کرنے کے لیے انہیں چیخنا پڑا۔ وہ اپنے ساتھی لڑکے کی کسی بات پر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ فرہاد احمد کی آواز سن کر اس کی ہنسی کو بریک لگی۔

"آؤٹ"

وہاں موجود ہر شخص کو سانپ سونگھ گیا تھا "ایوری بڈی آؤٹ."

فرہاد احمد کی آنکھیں اور چہرہ غصے سے دہک اٹھا تھا۔ آہستہ آہستہ تمام لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھتے گھر سے باہر چلے گئے ان کے جاتے ہی فرہاد احمد دروازہ لاک کر کے مارٹینا کے پاس آ گئے۔

"کیا ہے یہ سب کچھ ؟. ذرا سی بھی شرم غیرت باقی بچی ہے تم میں یا نہیں۔ ایک مہینہ نہیں ہوا تمہاری ماں کو مرے ہوئے اور تم نے اس گھر کو ڈانس کلب بنا ڈالا "

فرہاد احمد کا غصے اور دکھ سے برا حال تھا

"یہ میرا گھر ہے تمہارا نہیں، جو چاہوں گی وہ کروں گی تم کسی بھی طرح مجھے روک نہیں سکتے اور تم ہوتے کون ہو میرے دوستوں کو اس طرح بے عزت کر کے گھر سے نکالنے والے."

مارٹینا آہستہ آہستہ اپنی فارم میں واپس آ رہی تھی۔

تم بھول رہی ہو یہ گھر تمہارا نہیں ایمل کا ہے اور ایمل میری بھی بیٹی ہے، تمھاری ان بیہودگیوں کا اس کے دل و دماغ پر کتنا برا اثر پڑے گا یہ سوچا ہے تم نے، کھلے عام اس کے سامنے پی رہی ہو، غیر لڑکوں کے ساتھ فری ہو رہی ہو ہمارے مذہب میں یہ سب جائز نہیں ہے."

"مذہب۔۔ کون سا مذہب؟ میں کسی ایسے مزہب کو نہیں مانتی جو انسانوں کی زندگیوں کو پابند کر کے انہیں خوشیوں سے محروم کرتا ہو."

"مارٹینا"

فرہاد احمد کا غصہ ساتویں آسمان تک جا پہنچا تھا وہ حافظ خلیق احمد کے بیٹے تھے۔ سب کچھ برداشت کر سکتے تھے مگر مذہب کے لئے ایک غلط لفظ بھی نہیں سن سکتے تھے۔

"خبر دار۔۔۔جو تمہاری زبان پر میرے مذہب کے لئے کوئی غلط بات آئی، میرا مذہب صحیح اور غلط کی تمیز سک کیا کر انسانیت کو حیوانیت سے الگ کرتا ہے انسان کے کردار کو اخلاق کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے پر تم جیسے لادین لوگ ہمیشہ کتے بلیوں والی زندگی گزارتے ہیں."

"شٹ اپ."

مارٹینا سے فرہاد احمد کے لہجے کی گرل برداشت نہ ہو سکی۔

"ہو شٹ اپ, اور خبر دار جو آئندہ اس گھر میں یہ سب کچھ دوبارہ ہوا."

فرہاد احمد خوف سے فہمی ایمل کو اپنے ساتھ لگا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

"کروں گی، جو دل چاہے گا وہ کروں گی، دیکھتی ہوں کون روک سکتا ہے مجھے."

مارٹینا ان کے پیچھے چیخ چیخ کر بولتی رہی۔فرہاد احمد کا خون کھول اٹھا اس کی بات سن کر مگر ایمل کی خراب حالت کے پیش نظر پیچھے دیکھے بغیر وہ اوپر والے کمرے میں آگئے ۔وہ جانتے تھے کہ مارٹینا اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گی اس لیے انہوں نے ایمل کی تمام تر ذمہ داری اب خود اٹھالی، وہ اسے تیار کر کے اسکول چھوڑتے ہوئے اسٹور پر چلے جاتے

ہیں پھر اسکول آف ہونے پر اسے سٹور پر ہی لے آتے۔ایمل خود بھی باپ سے زیادہ قریب تھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مارٹینا کے غلط رویہ کی وجہ سے دونوں ماں بیٹی کے بیچ اجنبیت کی ایک دیوار بلند ہوتی چلی گئی فرہاد احمد اور احمد مستقل اوپر والے پورشن کے دو کمروں میں شفٹ ہو گئے۔ مارٹینا کے ساتھ آئے دن کوئی نہ کوئی مرد اس کے کمرے میں پایا جاتا تھا۔

ایمل کو ماں کی ان حرکتوں سے گھن آتی تھی اس کے دل میں باپ کے لیے دکھ اور افسوس بڑھتا جاتا تھا بیوی کے ہوتے ہوئے بھی وہ ازدواجی خوشیوں سے محروم تھے وہ بیک وقت اس کے باپ بھی تھے اور ماں بھی۔دونوں باپ بیٹی کی اپنی ہی ایک دنیا آباد ہو گئی تھی

"آوچ ."

آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ کو جاتی سیڑھیوں کے آخری سرے پر وہ پہنچی ہی تھی کہ اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ اپنا توازن کھو بیٹھی،قریب تھا کہ وہ پیچھے لڑھک جاتی پر نیچے سے آتے سرفراز نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں تھام لیا

"ہے ایمل! کچھ نہیں ہوا یار، دیکھو میں نے تمہیں گرنے سے بچا لیا ہے۔ چلو شاباش، آنکھیں کھولو."

نیچے گرنے کے خوف سے ایمل نے سختی سے آنکھیں بند کرلی تھیں اور وہ بری طرح سرفراز کے بازوؤں میں کانپ رہی تھی۔ وہ اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لئے ہوئے کوریڈور تک لے آیا اور آرام سے اسے ایک بینچ پر بیٹھا دیا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا پھر اپنے بیگ سے سوفٹ ڈرنک کین نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ایمل نے اس کی طرف غائب دماغی سے دیکھا پھر کین اس کے ہاتھ سے لے کر آہستہ آہستہ پینے لگی۔

"اب ٹھیک ہو."

سرفراز نے اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا

"ہوں۔۔۔ تھینکس۔۔۔". ایمل نے ممنونیت سے کہا

"نوٹ مینشن، ہو جاتا ہے ایسا کبھی کبھی، گھبراتے نہیں ہیں."

وہ دھیمی آواز میں اسے سمجھا رہا تھا ایمل نے اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا تو چند لمحوں کو وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا

"ایک بات پوچھوں، تم دوسری امریکی لڑکیوں سے اتنی مختلف کیوں ہو."

"میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھی."

"میرا مطلب، بائے فیس تم کچھ الگ سی ہو."

"اوہ۔۔۔ایکچوئیلی میری ماما تو امریکی ہیں لیکن پاپا پاکستانی ہیں."

"رئیلی۔۔ میں بھی تو پاکستان سے ہوں کراچی سے اور تمہارے پاپا کہاں کے رہنے والے ہیں."

"جہلم کے."

"اچھا۔۔۔ تبھی تو میں حیران ہوتا تھا کہ تم ایشیائی لڑکیوں سی کیوں دکھتی ہو."

اس وقت ایمل کو میڈم لوسی کلاس کی طرف جاتی دکھائی دیں۔

"میری کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے میں چلتی ہوں۔ تھینکس اگین."

ایمل نے اپنا بیگ اٹھایا اور سرفراز کو مسکرا کر دیکھتی کلاس روم کی طرف چلی گئی۔

یہ ایمل اور سرفراز کی دوستی کی ابتداء تھی پھر یہ دوستی بڑھتے بڑھتے محبت میں کیسے بدلی دونوں کو پتا نہ چلا۔ایمل نے فرہاد احمد سے کچھ نہیں چھپایا وہ اس کے دلی جذبات سے آگاہ تھے۔ایمل کی یونی ورسٹی وہ خاص طور پر سرفراز سے ملنے گئے تھے اور اس سے مل کر بہت مطمئن تھے وہ پاکستان کے ایک کھاتے پیتے باعزت گھرانے سے تعلق رکھتا تھا ان کی بیٹی نے ایک پاکستانی کا انتخاب کر کے انہیں کچھ اور بھی معتبر کر دیا تھا۔

سرفراز بھی فرہاد احمد سے مل کر بہت متاثر ہوا تھا وہ دو چار بار جینیفر سپر اسٹور بھی جا چکا تھا مگر وہ ایمل کی ماما سے ابھی تک نہیں ملا تھا اور ملتا بھی کیسے ملتے ایمل کبھی اپنی ماں کا ذکر نہیں کرتی تھی وہ اکثر اپنی امی کا ذکر کرتا تھا اور جب اس سے اس کی ماما کے بارے میں پوچھتا تو وہ ہمیشہ ہاں ہوں میں جواب دے کر ٹال جاتی تھی ابھی تک اسنے سرفراز کو اپنے گھر بھی نہیں بلایا تھا۔

ایمل کو سرفراز سے محبت کے رشتے میں بندھے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا یہ یونیورسٹی میں ان کا آخری سال تھا۔اس دن ایمل اپنے بہت ہی ضروری نوٹس کلاس روم میں بھول گئی تھی اور وہی نوٹس لے کر سرفراز اس کے گھر آیا تھا۔بیل بجانے پر جینز اور

سلیولیس شرٹ میں ملبوس مارٹینا نے دروازہ کھولا اس نے خود کو بہت مین ٹین رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت کم عمر لگتی تھی۔ سرفراز نہیں جانتا تھا وہ کون ہے۔

"ہیلو "

جواباً مارٹینا نے ہیلو کہتے ہوئے اسے دلچسپی سے دیکھا۔

"ایمل گھر پر ہے"۔

"نہیں , تم کون ".

ایک اجنبی ایشیائی نوجوان کے منہ سے ایمل کا نام سن کر وہ چونک گئی تھی۔

"میں سرفراز ہوں، ایمل کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں وہ اپنے نوٹس بھول آئی تھی میں وہ لے کر آیا ہوں آپ ایمل کی۔۔۔."

اسنے کچھ ہچکچاتے ہوئے پوچھا تھا

"اندر آؤ پھر بتاتی ہوں."

مارٹینا کے بلانے پر وہ اندر چلا آیا اور اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا

"میں ایمل کی مدر ہوں."

"اوہ۔۔۔پر آپ تو بالکل اس کی بڑی بہن لگتی ہیں". سر فراز کی اس بات پر مارٹینا نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"کیا لوگے کافی یا سوفٹ ڈرنک ."

"نو تھینکس، میں بس چلوں گا میں تو بس ایمل کو یہ نوٹس دینے آیا تھا"

سر فراز جانے کے لیے کھڑا ہونے لگا

"کب سے جانتے ہو ایمل کو ."

مارٹینا کا سوال سن کر اسے رکنا پڑا۔

"پاکستانی ہو."

یہ پوچھتے ہوئے مارٹینا کھڑی ہو گئی اور کافی بنانے لگی۔کافی بنانے اور سر فراز کے پینے کے دوران مارٹینا نے چھوٹے چھوٹے سوالوں کے ذریعے جان لیا کہ ایمل اور سر فراز ایک

دوسرے کو چاہتے ہیں کچھ دیر بعد سرفراز چلا گیا پیچھے مارٹینا کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں کالا تل ابھر آیا تھا۔

****

کہتے ہیں کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے قدموں تلے جنت بھی انہیں ماؤں کو ملتی ہے جو اولاد کی خاطر اپنی نیندیں، اپنا چین، آرام اور اپنی خواہشیں کھو دیتی ہیں لیکن جب کوئی عورت اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے کردار کی پستیوں میں جا گرتی ہے تو سب سے پہلے اس کی اولاد ہی اس کے وجود کی نفی کر دیتی ہے ایمل اور مارٹینا کے درمیان بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔مارٹینا کی نظر میں عورت کی عصمت کا کوئی تصور نہ تھا اس کے نزدیک ایک مرد کے ساتھ ساری عمر گزار دینا انتہائی بے وقوفی تھی، جبکہ نسوانی عزت و وقار کی خوبیاں ایمل کو اس کی جینز میں ملی تھیں۔وہ حافظ خلیق احمد کی پوتی تھی جو گاؤں کی کسی بھی گلی سے گزرتے تو گلی میں کھڑی باتیں کرتی عورتیں ان کے احترام میں خاموش ہو جاتی تھیں وہ سکینہ بی بی کی پوتی تھی جو گاؤں کے مردوں اور عورتوں کے لیے شرم وحیاء کی مثال تھیں گاؤں کی عورتیں اپنے بچوں کی تربیت کے لیے انہیں سکینہ بی بی کے

پاس بھیجا کرتی تھیں۔وہ فرہاد احمد کی بیٹی تھی جن پر جوانی آئی تھی اور ٹوٹ کر آئی تھی پر گاؤں کی کوئی لڑکی یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ فرہاد احمد نے کبھی اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھا ہے۔وہ امریکا آئے تو یہاں کی آزاد معاشرت میں بھی انہوں نے اپنے عزت و وقار اور تشخص کو سنبھال کر رکھا ان کی یہی احتیاط پسندی مارٹینا کیلیئے چیلنج بن گئی تھی۔

مارٹینا کی بد فطرتی دیکھتے ہوئے فرہاد احمد نے عصمت اور کردار کی پختگی کا تصور ایمل کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا اور اس بات نے ایمل اور مارٹینا کے بیچ ایک خلیج حائل کر دی تھی۔

فطرتاً مارٹینا ایمل سے محبت کرتی تھی پر ایمل کا اس کی ذات سے گریز اس میں چڑ پیدا کر دیتا تھا اس کا ذمہ دار وہ فرہاد احمد کو سمجھتی تھی۔بھرپور جوانی کا وقت اس نے بھرپور عیاشیوں میں گزار دیا اور اب بھی اس کے معمولات کچھ زیادہ نہیں بدلے تھے پر اب جب وہ 45 سال کی ایک پختہ کار عورت تھی تو اپنا آپ اندر سے خالی خالی محسوس کرتی تھی سچی خوشی کا کوئی احساس اس کے اندر موجود نہیں تھا فرہاد احمد اور ایمل کے مطمئن چہرے اس کے اندر وحشت سی بھر دیتے تھے وہ اکثر ایمل کو آتے جاتے اپنے پاس بلانے لگی اور

چاہتی تھی کہ وہ اس سے باتیں کرے مگر ایمل چند ایک باتوں کا جواب ہوں ہاں میں دے کر ادھر ادھر ہو جاتی۔

دو سال قبل ایمل کی برتھ ڈے پر اسنے ایمل کو ایک بلیک سلیو سلیس بڑے گلے والی نگینوں سے مزین میکسی گفٹ کی اور اس سے پوچھا کہ وہ اس کے پاس آنے سے کتراتی کیوں ہے اس سے پاس بیٹھ کر باتیں کیوں نہیں کرتی اس بات پر کچھ دیر ایمل دکھ بھری نظروں سے ماں کو دیکھتی رہی

"میں آپ سے کیا بات کروں ماما! جو باتیں آپ کو پسند ہیں وہ مجھے پسند نہیں اور جو مجھے پسند ہیں وہ آپ کے نزدیک انتہائی فرسودہ ہیں اور پھر ماما میں آپ سے بات کروں نہ کروں ،کیا فرق پڑتا ہے آپ کے سینکڑوں دوست ہیں نہ آپ سے باتیں کرنے کے لیے."

آخر میں اس کی زبان پر ماں کے لیے طنز آ ہی گیا "ایسی بات نہیں ہے ایمل تمہارے بات نہ کرنے سے مجھے فرق پڑتا ہے بیٹا، میرا دل چاہتا ہے کہ تم میرے پاس آؤ مجھ سے بات کرو میرے ساتھ وقت گزارو "

اس کے انداز میں تھوڑی سی لجاجت تھی

"ماما! میں نے آپ کے ساتھ وقت گزارنا شروع کر دیا تو پھر آپ کے ان دوستوں کا کیا ہو گا جن کے ساتھ وقت گزارنے کے لئے آپ نے مجھے چھوڑ دیا" اس کا طنز کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

"ایمل"

مارٹینا کے انداز میں ایک تنبیہہ سی تھی جیسے کہہ رہی ہو کہ اپنی حد میں رہو

"میں نے تمہیں نہیں چھوڑا بلکہ تمہارے باپ نے تمہیں مجھ سے چھین لیا."

"اچھا.. کیوں کیا ایسا انہوں نے."

"کیوں کہ وہ تمہارے ذریعے یہ مکان اور جینفر ڈیپارٹمنٹل اسٹور ہتھیانا چاہتا ہے."

"ماما! آپ کو کیا لگتا ہے اگر ایسا ہوتا تو کیا آپ اس گھر میں ہوتیں۔ لیگلی یہ گھر میرے نام ہے اور اسٹور کا پاور آف اٹارنی پاپا کے نام اگر وہ آپ کو اس گھر سے باہر نکال دیں تو کوئی قانون آپ کو یہ گھر اور کاروبار نہیں دلوا سکتا یہ پاپا کا ظرف ہے جو انہوں نے اس گھر میں آپ کے وجود کو آپ کی تمام بیہودگیوں سمیت برداشت کیا ہوا ہے وہ بھی صرف اس لیے کہ آخر کو کچھ بھی سہی آپ ہیں تو میری ماں۔۔۔"

چٹاخ

ایمل کے باپ کا ظرف بہت بڑا تھا مگر ماں کا ظرف بہت چھوٹا تھا وہ بیٹی کے دکھائے ہوئے آئینے میں اپنی بدصورت دیکھ نہ سکی اس لیے بیٹی کو تھپڑ مار دیا۔

"کیوں ماما۔۔۔ کیا ہوا، سچ برداشت نہیں ہوا آپ سے."

"سچ... کون سا سچ... سچ تو یہ ہے کہ یہ سب تمہارے باپ نے چالاکی سے چھینا ہے میری ماں کو بے وقوف بنا کے اور تمہیں مجھ سے بدظن کر کے۔ اس خبیث شخص نے مجھے برباد کر ڈالا اور تم اس کی حمایت میں میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھے ذلیل کر رہی ہو۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے."

غصے سے مارٹینا ہانپ رہی تھی۔ ایمل ہاتھ میں پکڑی میکسی وہیں صوفے پر پھینک کر بھاگتی ہوئی اوپر اپنے کمرے میں آگئی اور پھر بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"ایمل"

سیڑھیاں چڑھتے ایمل کے قدم ساکت ہو گئے۔آج بہت عرصے بعد مارٹینا نے ایمل کو آواز دی تھی۔

"جی"۔ایمل نے الٹے قدموں سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہوئے پوچھا۔مارٹینا نے ہاتھ میں پکڑے نوٹس اس کی طرف بڑھا دیے۔

"یہ نوٹس تمھارا بوائے فرینڈز سرفراز دے گیا تھا"

مارٹینا نے سرفراز کے حوالے سے اس کے کردار پر اٹیک کیا۔ایمل اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئی پر بولی کچھ نہیں، سرفراز پر غصہ بھی ایا کہ اسے کیا ضرورت تھی نوٹس گھر لانے کی، میں کل یونی ورسٹی میں ہی لے لیتی۔ایمل نے مارٹینا کے ہاتھ سے نوٹس لیے اور خاموشی سے سیڑھیوں کی طرف مڑ گئی۔ابھی دوسری سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک بار پھر اسے مارٹینا کی آواز پر رکنا پڑا۔

"ویسے۔۔۔میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے بوائے فرینڈ کے طور پر ایک پاکستانی ہی کو کیوں چنا ."

ایمل نے گھوم کر مارٹینا کی طرف دیکھا کیونکہ مجھے اس کے باوفا ہونے کا یقین ہے "

"اوہ۔۔۔رئیلی."

مارٹینا کے ہونٹوں پر طنزیہ ہنسی آئی۔ایمل مزید کچھ بولے بغیر تیزی سے اوپر آگئی۔

****

"ہے۔۔۔ایمی، کہاں یار، میں کب سے تمھیں ڈھونڈ رہا ہوں "

سرفراز کا سانس پھولا ہوا تھا۔ایمل سر پیٹر کے آفس میں اسائنمنٹ جمع کروا کر باہر آرہی تھی دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے گھاس کے طویل سبز قطعے پر آ بیٹھے۔یونیورسٹی میں یہ ان دونوں کی پسندیدہ جگہ تھی۔

"نوٹس مل گئے تھے؟ ."

"ہاں۔۔پر وہ تم گھر کیوں لے کر آئے میں یہیں لے لیتی."

ایمل کا لہجہ کچھ مبہم سا تھا سرفراز سمجھا نہیں۔

"اچھا ہوا نا،اس بہانے تمہاری ممی سے بھی ملاقات ہو گئی وہاٹ آلیڈی یار۔۔۔وہ تو تمہاری بڑی بہن لگتی ہیں."

سر فراز نے مسکرا کر ایمل سے کہا ۔ایمل کا چہرہ بے تاثر رہا

"تم نے اپنا اسائنمنٹ جمع نہیں کروایا ابھی تک "

ایمل نے عام سے انداز میں بات بدل دی۔

"ہاں۔۔۔کل کرواؤں گا"

چند لمحے دونوں خاموش رہے پھر سر فراز بولا

"کیا بات ہے ایمل تم اپنی ممی کے ذکر سے اتنا گھبراتی کیوں ہو."

یہ وہ سوال تھا جس سے ایمل ہمیشہ بچنا چاہتی تھی۔وہ جانتی تھی ایک نہ ایک دن سر فراز اس کی ماں کے بارے میں جاننا ضرور چاہے گا لیکن وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ماں کا گندہ کردار اس پر کھلے۔

"نہیں..ایسی کوئی بات نہیں,ایکچوئیلی میں اور ماما بائے نیچر ایک دوسرے سے کافی الگ ہیں۔میں بچپن سے پاپا کے ساتھ زیادہ اٹیچ رہی ہوں."

"ہاں۔۔یہ تو میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ ان کا مزاج تم سے کافی الگ ہے اور وہ خاصی بولڈ بھی ہیں."

اس کی اس بات پر ایمل کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا جانے وہ کیا کیا محسوس کر چکا تھا۔

"اچھا، یہ بتاؤ کہ اس ویک اینڈ پر تم کیا کر رہے ہو."

اس نے ایک دن سر فراز کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

"ڈیٹ پر جا رہا ہوں."

وہ بھی ایمل کی بات پر شوخ ہوا

"اچھا... کس کے ساتھ؟". ایمل کی تیاریاں بڑھ گئیں۔

"تمھارے ساتھ، اگر تم راضی ہو جاؤ."

اس بات پر دونوں قہقہہ لگا کر ہنس دیئے

****

لائبریری سے اپنے جرمن دوست کے ساتھ باہر آتے ہوئے سرفراز کی نظر مارٹینا پر پڑی

تو وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

"آپ یہاں۔۔۔خیریت۔۔۔ایمل تو جاچکی ہے."

"ہاں۔۔۔میں ایمل سے نہیں تم سے ملنے آئی ہوں."

"مجھ سے."

سرفراز کی حیرت بڑھ گئی

"کیوں۔۔۔کوئی خاص بات "

"ہمم۔۔۔بات تو خاص ہی ہے."

مارٹینا کی نظر اور لہجہ دونوں معنی خیز تھے۔

"جی کہیے."

سرفراز کے کہنے پر مارٹینا نے ارد گرد نظر دوڑائی

"جو بات میں تم سے کرنے آئی ہوں اس کے لئے یہ جگہ موزوں نہیں کسی ریسٹورنٹ میں چلتے ہیں" " چلیں"۔ سرفراز نے کندھے اچکائے پھر وہ دونوں ایک کافی شاپ میں جا بیٹھے

"سرفراز! میں اور ایمل ماں بیٹی ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بہت دور ہیں کیا تم یہ بات جانتے ہو."

مارٹینا نے نپے تلے انداز میں بات شروع کی۔

"جی ، میں نے محسوس کیا ہے."

"میں ایمل سے بہت محبت کرتی ہوں اور بہت چاہتی ہوں کہ وہ میرے قریب آجائے پر میں جتنی کوشش کرتی ہوں وہ اور زیادہ مجھ سے دور ہو جاتی ہے."

سرفراز خاموش رہا

"کیا تم اس کی وجہ نہیں جاننا چاہو گے."

"آپ کہیں، میں سن رہا ہوں."

"اس کی وجہ تمہارا ہم وطن ایمل کا باپ فرہاد ہے"

مارٹینا کا لہجہ طنز آمیز تھا اس بات پر سرفراز کو حیرت کا جھٹکا لگا

"لیکن فرہاد انکل تو بہت اچھے انسان ہیں."

"ہر شخص کا ظاہر اور باطن ایک سا نہیں ہوتا وہ اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ اور ہے اس نے مجھ سے شادی صرف اور صرف میری جائیداد ہتھیانے کے لیے کی اور یہ کام اس نے بڑی چالاکی سے میری بھولی ماں کو بیوقوف بنا کر کر لیا. میں کم عمر تھی اس کی چال سمجھ نہ سکی میری ماں نے گھر اور کاروبار ایمل کے نام کر کے پاور آف اٹارنی فرہاد کو دے دیا اور پھر آہستہ آہستہ اس نے ذہنی طور پر ایمل کو مجھ سے دور کر دیا."

یہ کہتے کہتے مارٹینا کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے سرفراز کا دل مارٹینا کے لیے ہمدردی سے بھر گیا وہ سادہ دل نوجوان تھا مارٹینا جیسی گھاگ عورت کو زیادہ دیر نہ لگی سرفراز کو شیشے میں اتارنے کے لئے۔

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے, پر میں سمجھ نہیں پایا یہ سب آپ مجھ سے کیوں کہہ رہی ہیں".

"یہ ساری باتیں میں نے تم سے اس لیے کی ہیں کیونکہ میں سمجھ گئی ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو اور میری نظر میں اس ساری دنیا میں تم واحد شخص ہو جو میری بیٹی کو میرے قریب کر سکتے ہو۔وہ تم سے محبت کرتی ہے تمہاری بات ضرور مانے گی۔مجھے مایوس مت کرنا سرفراز مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے".اس نے ٹیبل پر رکھے سرفراز کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔اس کی بے قراری پر سرفراز کا دل پگھل گیا۔

"میں کیا کر سکتا ہوں آپ کے لئے."

سرفراز کی اس بات نے مارینا کے اندر کی شیطانیت کو سکون بخشا

"پہلے تو تم مجھ سے وعدہ کرو ایمل کو ابھی ہماری اس ملاقات کے بارے میں نہیں بتاؤ گے."

"میں وعدہ کرتا ہوں مگر آگے کیا کرنا ہے."

"یہ میں تمہیں اگلی ملاقات میں بتاؤں گی مجھے اپنا کانٹیکٹ نمبر دے دو."

اور پھر ہر چند دن بعد مارٹینا سرفراز کو کہیں نہ کہیں بلا لیتی کبھی کسی ریسٹورنٹ میں کبھی کسی پارک میں اور کبھی ایمل اور فرہاد کی غیر موجودگی میں گھر پر۔۔۔ سرفراز ایمل کی ماں کے احترام میں چلا آتا۔مارٹینا کی پوری کوشش تھی کہ وہ معصوم بن کر سرفراز کو ایمل کی زندگی سے نکال دے پر بہت جلد اسے احساس ہو گیا کہ ایمل کے لئے سرفراز کے جذبات بہت گہرے ہیں اس کے بعد مارٹینا کے شیطانی ذہن نے کچھ اور ہی پلان کر ڈالا۔ایک بار پھر پاکستانی مسلمان کے کردار کی مضبوطی اس کے لیے چیلنج بن گئی تھی۔

ایمل کی شدید فرمائش پر فرہاد احمد نے اس بار کرسمس کی چھٹیوں پر اسے پیرس لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ویسے تو وہ دونوں اپنے کسی پروگرام کو مارٹینا سے ڈسکس نہیں کرتے تھے پر اس پروگرام کے بارے میں مارٹینا کو سرفراز کے ذریعے خبر مل چکی تھی۔اتفاق سے جس رات ایمل پیرس جا رہی تھی اس سے اگلے دن ایمل کی برتھ ڈے تھی۔رات کے آٹھ بجے دونوں باپ بیٹی ایئرپورٹ کے لیے نکل گئے اور ٹھیک رات ساڑھے دس بجے مارٹینا نے سرفراز کو فون کیا

"خیریت اتنی رات کو کال کی, سب خیریت ہے نا""ہاں، سب خیریت ہے۔ دراصل کل ایمل کا برتھ ڈے ہے تو سوچا کیوں نہ رات بارہ بجے سیلیبریٹ کریں"

"پر ایمل تو پیرس چلی گئی ہے اس وقت تو اس کا جہاز ٹیک آف کر رہا ہو گا."

"ارے نہیں۔۔۔شدید برف باری کی وجہ سے اسکی فلائٹ کینسل ہو گئی ہے وہ رات بارہ بجے سے پہلے واپس آجائے گی ائیر پورٹ یہاں سے زیادہ دور تو نہیں ہے اور اب اس کی فلائٹ صبح دس بجے کی ہے."

"واقعی،اچھا ٹھیک ہے پھر میں آتا ہوں."

سرفراز کا چہرہ دلی مسرت سے جگمگا اٹھا تھا مگر کبھی کبھی انسان کو پتا بھی نہیں چلتا اور اس کے منہ سے نکلی بات سچ ہو جاتی ہے مارٹینا نے سرفراز سے جھوٹ بولا تھا اور دوسری طرف سچ مچ شدید برف باری کی وجہ سے ایمل کی فلائٹ کینسل ہو گئی تھی۔ساڑھے گیارہ بجے سرفراز نے ہاتھوں میں پھولوں کا بڑا سا بوکے لئے بیل بجائی ۔مارٹینا نے دروازہ کھولا وہ بلیک لونگ کوٹ میں ملبوس تھی۔اس نے گرم جوشی سے سرفراز کو اندر بلایا ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے دونوں لاؤنج میں آگئے۔دھیمی روشنی اور ہلکا ہلکا بجتا

میوزک اندر کا ماحول خاصا رومانٹک بنا رہا تھا کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد مارٹینا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی سرفراز کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مارٹینا اپنے گلاس میں شراب انڈیل رہی تھی وہ گلاس لے کر سرفراز کے قریب آئی۔

"میں یہ نہیں پیتا۔"

"جانتی ہوں اسی لئے میں تمہارے لئے سافٹ ڈرنک لائی ہوں۔"

سرفراز نے مارٹینا کے ہاتھ سے گلاس لے لیا

"ایمل نہیں آئی ابھی تک۔"

سرفراز کچھ الجھن میں تھا۔

"آنے ہی والی ہو گئی، تم پیو نا۔"

"سرفراز نے ڈرنک پینا شروع کیا پر وہ یہ نہ جان سکا کہ کمال ہوشیاری سے مارٹینا اس کے مشروب میں نشیلی دوائی ملا چکی تھی۔

"اس کاذائقہ کچھ عجیب سا ہے". مشروب ختم کر کے سرفراز نے گلاس ٹیبل پر رکھا

"ہاں۔۔ہو سکتا ہے پر بتاؤ، ہے کیسا. "

مارٹینا کی گہری نظریں مسلسل سرفراز کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"اچھا ہے. "

سرفراز نے کندھے اچکائے

"ارے تو پھر اور لو نا. "

پھر سرفراز کے منع کرنے کے باوجود مارٹینا نے دوبارہ اس کا گلاس بھر دیا ساتھ ہی ساتھ لگاوٹ بھری باتیں بھی شروع کر دیں گلاس ختم کرتے کرتے سرفراز کو سر بھاری ہوتا محسوس ہوا۔وہ گلاس واپس کاؤنٹر پر رکھنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھا تو اس کے قدم ڈگمگا گئے اور اسے ہر چیز چکراتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

"کیا ہوا سرفراز، تم ٹھیک تو ہو نا. "

مارٹینا کی اداکاری اپنے عروج پر تھی

"جی نہیں۔۔۔ہاں۔۔۔شاید چکر سا آ رہا ہے."

وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے " اوہ۔۔۔شاید تم تھک گئے ہو، میرے ساتھ آؤ کچھ دیر آرام کر لو."

مارٹینا سرفراز کا بازو تھام کر ایک کمرے کی طرف بڑھ گئی کمرے کے وسط میں پہنچ کر سرفراز رک گیا اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔یہ مارٹینا کا بیڈ روم تھا وہ واپس جانے کے لئے پلٹا لیکن یہ دیکھ کر اپنی جگہ پر برف کی طرح جم گیا کہ مارٹینا دروازہ لاک کر چکی تھی اور اس کا لانگ کوٹ اس کے قدموں میں پڑا ہوا تھا۔سرفراز بالکل ہی چکرا گیا۔

مشروب میں ملی نشیلی دوا اور مارٹینا کی نازیبا حرکات نے اس کا سر دپڑتا وجود گرم کر دیا اس کے بعد اس کے رہے سہے ہوش بھی نہ رہے۔

****

رات ساڑھے بارہ بجے دونوں باپ بیٹی بیزاری سے گھر میں داخل ہوئے فرہاد احمد تو اپنا بیگ لے کر فوراً ہی اوپر اپنے کمرے میں چلے گئے جبکہ ایمل مرے قدموں سے

سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگی آہستہ آہستہ اوپر چڑھتے اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا لاؤنج سے آتی دھیمے دھیمے میوزک کی آواز نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی تھی۔

کیا ماما لاؤنج میں ہیں

وہ بے خیالی میں پلٹ کر لاؤنج میں آئی۔ کاؤنٹر پر شیشے کی بوتل اور دو گلاس دیکھ کر اس کے اندر اپنی ماں کے لئے ایک نفرت انگیز جذبہ ابھرا وہ واپس پلٹ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو ایک دم چونک کر رک گئی۔ دروازے کے پاس رکھے بلیک اینڈ وائٹ جاگر اسے بہت جانے پہچانے لگے

نہیں یہ نہیں ہو سکتا سرفراز اس وقت یہاں کیوں آئے گا۔

اپنے آپ سے الجھتی وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی مگر آخری سرے تک پہنچ کر اس کی برداشت سے باہر ہو گیا وہ ایک جھٹکے سے پلٹی اور تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی مارٹینا کے بیڈروم کے سامنے پہنچ کر اس نے دروازے پر دستک دینے کے لئے ہاتھ اٹھایا اور پھر کھینچ لیا

یہ۔۔۔یہ۔۔میں کیا کر رہی ہوں اور میں نے یہ سوچا بھی کیسے، بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے

وہ اپنی ہی سوچ پر شر مندہ ہو کر دو قدم پیچھے ہوئی اور واپس پلٹنے ہی والی تھی کہ اچانک دروازہ کھل گیا اور پھر جو منظر اس نے دیکھا وہ ایک بھیانک یاد بن کر ساری عمر کے لئے اس کے ذہن کے پردے پر جم گیا۔

****

نشہ اترا تو سر فراز کو اپنا آپ آگ میں جھلستا ہوا محسوس ہوا۔ اسے اپنے آپ سے گھن آ رہی تھی شرٹ پہنتے ہوئے اس نے ایک نظر مارٹینا پر ڈالی وہ گہری نیند میں تھی اس نے نظر پھیر لی ایک عجیب سی وحشت میں گھر کر اس نے دروازہ کھول دیا۔

"یا خدا"

ایمل کو سامنے کھڑا دیکھ کر سر فراز کو چکر آ گیا ایک قیامت تھی جو دونوں پر ٹوٹی تھی۔
ایمل کی نظر سر فراز سے ہوتی پیچھے بیڈ پر اوندھی لیٹی مارٹینا پر گئی تو شدت جذبات سے اس نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لیں مگر دل کا درد پلکوں کی باڑھ توڑ کر اس کے رخساروں پر بہنے لگا ایمل کی یہ حالت دیکھ کر سر فراز کو اپنا آپ انتہائی گھرا ہوا لگا اس کا دل چاہا کہ کاش

زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔اس نے بہتری اسی میں جانی کے فوراوہاں سے نکل جائے۔وہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا

"سر فراز۔۔تم یہاں۔۔اس وقت"

سر فراز نے پیچھے مڑ کر دیکھا فرہاد احمد سیڑھیوں سے اتر رہے تھے انھیں دیکھ کر سر فراز ایک جھٹکے سے باہر نکلا اور تیزی سے بھاگتا گلی میں غائب ہو گیا۔سر فراز احمد کچھ نہ سمجھنے کی کیفیت میں لاؤنج کی طرف آئے مگر ایمل کو بے آواز روتے دیکھ کر ان کے قدم تھم گئے پھر ایک دم انہوں نے آگے بڑھ کر ایمل کو سینے سے لگا یا

"ایمل !کیا ہوا بیٹا، تم رو کیوں رہی ہو اور یہ سر فراز اس وقت یہاں کیسے۔۔۔۔"

یہ کہتے کہتے ان کی نظر کھلے دروازے سے ہوتی ہوئی مارٹینا کے بیڈ تک گئی تو ایک لمحے میں ساری صورتحال انہیں سمجھ میں آگئی۔دکھ کا آتش فشاں ان کے دل میں پھٹا اور لہو بن کر ان کی رگوں میں بہنے لگا انہوں نے ایمل کو خود سے الگ کیا اور کمرے میں جا کر دروازہ اندر سے بند کر لیا ایمل کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا مگر اگلے ہی لمحے مارٹینا کے چیخ اسے سب کچھ سمجھا گئی مغلظات کا ایک طوفان تھا جو فرہاد احمد کے منہ سے نکل رہا تھا ان کی لاتیں اور

مکے مارٹینا کے جسم پر کوڑوں کی طرح برس رہے تھے اور مارٹینا کی چیخوں سے سارا گھر گونج رہا تھا۔

****

بہت مشکل سے ایمل نے فرہاد احمد کی ضمانت کروائی تھی بیوی پر تشدد کے جرم میں پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا تھا ثبوت کے طور پر مارٹینا نے جسم کا ایک ایک نیل پولیس والوں کو بہت بے باکی سے دکھایا تھا قریب تھا کہ فرہاد احمد کو جیل ہو جاتی لیکن ایمل نے فرہاد احمد کی رہائی کے عوض گھر اور جینیفر سپر اسٹور مارٹینا کے نام کر دیا ایمل اور فرہاد احمد نے پاکستان چلے جانے کا پروگرام بنایا تھا مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا جس دن قانونی کارروائی ختم ہوئی اور جیسے ہی مارٹینا اور فرہاد احمد پولیس سٹیشن سے باہر آ رہے تھے ایک تیز رفتار اسٹیشن ویگن (جس کا ڈرائیور نشے کی حالت میں تھا) کی زد میں آ گئے مارٹینا موقع پر ہی دم توڑ گئی. جبکہ فرہاد احمد دو دن ہسپتال میں سخت جان کنی کی کیفیت میں مبتلا رہ کر جان کی بازی ہار گئے لیکن جاتے جاتے ایمل کو اقبال سے رابطے میں رہنے کی تاکید کر گئے

میجر جہاں زیب کی طبیعت سنبھل گئی تھی پر ایمل کو اپنا آپ بہت خالی خالی لگ رہا تھا۔

پچھلے دو دن سے اس نے میجر صاحب کو نہیں دیکھا تھا اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس نے

اپنے بارے میں میجر صاحب کو بتا کر ٹھیک کیا یا غلط۔

آج وہ شہرین کے ساتھ کچن کا سامان لینے قریبی سپر اسٹور پر آئی تھی۔

"ارے ایمل! سفینہ آنٹی ."

شہرین نے ایمل کی توجہ اس جانب کروائی جہاں سفینہ آنٹی وہیل چیئر پر موجود تھیں۔

"السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں"

دونوں نے انہیں سلام کیا

"ارے۔۔۔وعلیکم السلام۔۔۔ بھئی تم دونوں یہاں کہاں"۔

وہ دونوں کو دیکھ کر کھل اٹھی تھیں

"ویسے ہی آنٹی کچن کے لیے کچھ سامان لینے آئے تھے اور آپ....اکیلی آئی ہیں"

ایمل نے محتاط انداز میں پوچھا۔

"نہیں بھئی میں اکیلی کیسے آسکتی ہوں۔ جہاں زیب کے ساتھ ہی آئی ہوں."

"اچھا، پر میجر صاحب نظر تو نہیں آرہے ہیں."

ایمل کے دل میں ابھرنے والا سوال شہرین نے پوچھ ڈالا۔

"تمہارے پیچھے ہی تو کھڑا ہے."

ان کے کہنے پر دونوں ایک ساتھ پلٹیں۔ بلیو جینز اور وائٹ شرٹ میں سیاسی چشمہ لگائے وہ اپنی بھرپور مردانہ وجاہت کے ساتھ بہت اچھے لگ رہے تھے۔ شہرین نے انھیں دیکھتے ہی سلام کیا لیکن ایمل کے لب نہ ہل سکے۔ انہوں نے گہری نظروں سے ایمل کو دیکھتے ہوئے شہرین کے سلام کا جواب دیا" کہاں ہو بھئی گرلز آج کل نظر ہی نہیں آتی ہو."

انھوں نے ہلکے پھلکے انداز میں بات شروع کی۔

سر میں تو دو دن پہلے ہی جہلم سے آئی ہوں پر یہ محترمہ تو مستقل آپ کے پڑوس میں ہوتی ہیں حیرت ہے آپ کو پھر بھی نظر نہیں آتی"

شہرین کی اس بات پر ایمل نے پہلے شہرین کو پھر میجر صاحب کو دیکھا وہ مسکرا رہے تھے۔

وہ بھی مسکرا دی

"بالکل صحیح کہہ رہی ہو بیٹا پڑوس میں ہونے کے باوجود یہ بچی مجھے نظر نہیں آتی."

سفینہ بیگم نے پیار بھرا شکوہ کیا

"بس آنٹی فرصت ہی نہیں ملتی."

"ارے بھئی ایسی بھی کیا مصروفیت ہے دو گھڑی کو ہی سہی مجھ بوڑھی جان کے پاس آجایا کرو نا."

انھوں نے بہت پیار سے ایمل کا ہاتھ تھام لیا

"ان شاء اللہ ضرور آؤں گی آنٹی."

ایمل نے بھی پیار سے اپنا دوسرا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھا۔

"آنٹی یہ تو آتی جاتی رہے گی رات میں آپ لوگ آجائیں نا ایمل کی طرف۔ آج ایمل میری فرمائش پر زبردست سی بریانی بنانے لگی ہے."

"ارے پر تمہیں تو پاکستانی کھانے بنانے نہیں آتے تھے یہ بریانی کیسے۔۔۔"

سفینہ بیگم کی بات پر ایمل مسکرادی

"آنٹی یہ میرا کمال ہے محترمہ میری تابعدار شاگرد ہیں". شہرین نے ایمل کی پیٹھ تھپتھپائی

تو پھر کہیں بریانی کے نام پر کوئی تجربہ تو نہیں کھانا پڑے گا."

میجر صاحب نے بھی گفتگو میں حصہ لیا

"سر یہ ہی تو غلطی ہوگئی مجھ سے، اپنے سارے گر اسے سکھادیے اب یہ مجھ سے بھی اچھی بریانی بنالیتی ہے."

"بس تو پھر ٹھیک ہے، ماں! آج ایمل کے ہاتھ کی بریانی ہی کھانی ہے."

میجر صاحب کی بات سن کر تینوں ہی مسکرادیں

****

رات میں ایمل نے خوب دل سے بریانی بنائی جو میجر صاحب اور سفینہ بیگم کو بھی بہت پسند آئی۔ ہلکی پھلکی باتوں میں کھانا کھایا گیا پھر ایمل قہوہ بنانے کچن کی طرف آ گئی۔ شہرین سفینہ بیگم کو اپنے خاندانی بیک گراؤنڈ سے متعارف کروانے لگی اور میجر جہانزیب ایمل کی کتابوں کی طرف آ گئے ایمل ان کا کپ لے کر آئی تو وہ کہنے لگے

"تمہارا ادبی ذوق تو بہت اچھا ہے."

"پر آپ کا تو کمال کا ہے."

اس کی بات سن کر وہ مسکرا دیے

"میری عمر تک پہنچ کر تم بھی کمال کو پہنچ جاؤ گی."

"ایک بات پوچھوں آپ سے."

"شیور"

"اپنی وائف کی ڈیتھ کے بعد آپ نے دوبارہ شادی کیوں نہیں کی "

اس کی بات سن کر کچھ دیر وہ قہوے پر نظریں جمائے کھڑے رہے پھر ماں اور شہرین کو دیکھ کر بولے

"اس پر پھر کبھی بات کریں گے"

"مجھ سے تو میرے بارے میں سب کچھ جان لیا اور اپنا آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں "

ایمل کی اس بات پر انہوں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ان کے فون کی بیل بج اٹھی باتوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن جانے سے پہلے وہ اسے پی سی میں ہونے والی آرٹ ایگزیبیشن کا پاس دے گئے تھے۔

****

ایگزیبیشن بہت زبردست تھی۔اس میں بہت سے مصوروں کے فن پارے رکھے گئے تھے۔ایمل میجر صاحب کے ہمراہ تصاویر دیکھ رہی تھی اور ان پر اپنی رائے کا اظہار بھی کر رہی تھی۔ میجر صاحب بھی کبھی کبھی کچھ کہہ دیتے،ویسے وہ آج کچھ چپ چپ ہی تھے

۔

"اس رات تم کچھ پوچھ رہی تھیں."

ایمل کو یقین نہیں تھا کہ وہ خود سے بات شروع کریں گے.

"جی."

"پوچھو جو پوچھنا ہے میں اپنا آپ بالکل بھی نہیں چھپاؤں گا تجھ سے ."

ایمل ان کے دیکھنے پر کچھ جھینپ سی گئی

"نہیں ایسا کچھ خاص تو نہیں، بس یہی پوچھ رہی تھی کہ آپ نے دوبارہ شادی کیوں نہیں کی."

"دوبارہ شادی نہ کرنے کی تین وجوہات تھیں."

انھوں نے ایک تصویر کو غور سے دیکھتے ہوئے اسے بتانا شروع کیا۔

"ایک تو یہ کہ کاشان بہت چھوٹا تھا اسے سوتیلی ماں کے حوالے کرنے کو میرا دل نہیں مانتا تھا۔دوسرے آپ ماں معذور ہو گئی تھیں اور میری نظر میں کسی بھی لڑکی یا عورت پر شادی ہوتے ہی چھوٹے بچے اور اپاہج ساس کی زمہ داری ڈال دینا بہت بڑی زیادہ کی بات تھی، تیسری اور سب سے بڑی وجہ میرا دل تھا جو کسی اور عورت کو قبول کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوا ."

"کیوں"

ایمل کو اپنے دل میں درد سا اٹھتا محسوس ہوا

"کیونکہ محبت ایک بار ہوتی ہے بار بار نہیں، اور میرے حصے کی محبت تہمینہ کے ساتھ ہی دن توڑ گئی، اب صرف اس کی یادیں زندہ ہیں."

"اور اگر کسی اور کو آپ سے محبت ہو جائے تو۔۔۔؟"۔

انجانے اندیشوں میں گھر کر اس نے پوچھ ہی لیا۔ میجر صاحب نے اسے دیکھا اور دھیرے سے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"محبت اپنا آپ منوا لیتی ہے، اگر کسی کی محبت اتنی پاورفل ہوئی تو ضرور اپنا آپ منوا لے گی."

ایمل کے دل کو یک گونہ قرار سا ملا۔ آج رات ایمل نے اپنی محبت آزمانے کا فیصلہ کر لیا تھا

۔

اپنا آپ آئینے میں دیکھ کر چند لمحے وہ خود بھی دنگ رہ گئی تھی۔کاہی گرین فراک جو سفید ریشم اور شیشوں کے کام سے مزین تھی ایمل پر بہت سوٹ کر رہی تھی اس کے ساتھ ہم رنگ نازک سی جیولری نے اس کے حسن کو مزید چار چاند لگا دیے تھے۔آنکھوں میں کاجل اور لائٹ پنک لپسٹک لگا کر اس نے اپنی تیاری کو آخری ٹچ دیا۔آج وہ سفینہ بیگم کی دعوت پر ان کی طرف ڈنر کے لئے جارہی تھی۔پرفیوم لگا کر اس نے اپنا پرس اور پھول اٹھائے اور اپارٹمنٹ سے باہر آگئی۔پھولوں کا گلدستہ اس نے آفس سے آتے ہوئے سفینہ بیگم کے لیے خرید لیا تھا اور گلاب کی ایک کلی خاص میجر جہانزیب کے لیے۔دروازے پر دستک دیتے ہوئے اس کی شدید خواہش تھی کہ دروازہ میجر صاحب کھولیں اس کا یہ روپ سب سے پہلے ان کی نظروں میں آئے یہ سوچ کر اس کے لبوں پر ایک بہت دلفریب مسکراہٹ آگئی اور نظریں جھک گئیں۔

"اومائی گاڈ۔۔۔وھاٹ اے بیوٹی"۔

اجنبی آواز پر ایمل نے حیرت سے سر اٹھایا تو بائیس تئیس سال کے ایک جوان لڑکے کو بلیک جینز اور شوخ رنگوں کی شرٹ میں چیونگم چباتے ہوئے خود کو گہری نظروں سے تکتے ہوئے پایا۔

"سفینہ آنٹی ہیں."

ایمل نے قدرے بیزاری سے پوچھا

"آہا تمہاری تو آواز بھی تمہاری طرح پیاری ہے."

لڑکے نے لہک کر کہا تو ایمل سخت بدمزہ ہو گئی "کون ہے دروازے پر کاشان "

سفینہ بیگم کی پیچھے سے آواز آئی تو ایمل چند لمحوں میں سمجھ گئی کہ یہ میجر صاحب کا بیٹا ہے

۔

"ہیر از اے فیری، گرینڈ مام."

"ارے بھئی تو فیری کو اندر بھی بلاؤ گے یا نہیں" لڑکے کے پیچھے سفینہ بیگم اپنی ویل چیئر پر نمودار ہوئیں۔

"او۔۔۔آئی ایم سوری۔۔۔پلیز ویلکم."

کاشان نے دروازے سے ہٹ کر ایمل کو اندر آنے کی جگہ دی۔ایمل نے آگے بڑھ کر سکینہ بیگم کو سلام کیااور پھول دیئےانہوں نے پھول لیتے ہوئے پیار سے اس کے ہاتھ چوم لیے۔

"اور یہ کلی تو آپ یقیناًمیرے لئے لائی ہوں گی کیونکہ اس کا حقدار یہاں صرف اور صرف میں ہی ہو سکتا ہوں."

کاشان نے کلی اس کے ہاتھ سے اچک لی۔سفینہ بیگم پوتے کی شرارت پر ہنس پڑیں جبکہ ایمل کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں وہ جو سوچ کر آئی تھی وہ سب کچھ الٹ گیا تھااس کا دل چاہاوہ فوراواپس چلی جائے،اتنے میں اسے ایک کمرے سے میجر صاحب باہر آتے دکھائی دیے۔ ان کے کمرے سے باہر آتے ہی ان کے پرفیوم کی خوشبو سے ساری فضامہک اٹھی وہ سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس تھے ان کی تیاری سے لگ رہا تھاوہ کہیں جارہے ہیں۔ان کی نظراس پر پڑی تو دھیمے سے مسکرادیئےاور قریب آکر بولے

"لکنگ گارجیس."

"تھینکس."

ایمل نے کچھ شرماتے ہوئے نگاہیں جھکا لیں۔

"کاشان تم ایمل سے ملے یہ وہی فیری ہے جس کے بارے میں میں تمہیں نیٹ پر بتاتا رہا ہوں."

"بابا میں نے پہلی نظر میں ہی جان لیا تھا۔ ویسے آنے سے پہلے مجھے اپنے جیت جانے کا یقین تھا پر اب لگتا ہے میں چیلنج ہار جاؤں گا "

اس بات پر دونوں باپ بیٹا قہقہہ لگا کر ہنس دیئے "بھئی یہ کون سے چیلنج کی بات ہو رہی ہے، کوئی مجھے بھی کچھ بتائے گا یا نہیں ."

سفینہ بیگم اپنے بیٹے اور پوتے کو مبہم باتوں پر ہنستا دیکھ کر بول اٹھیں۔

"اٹس اے سیکرٹ بیٹوئن از گرینڈ مام."

کاشان کی آنکھوں میں شرارت تھی

"آپ کہیں جا رہے ہیں "

ایمل نے میجر صاحب سے پوچھا

"ہاں۔۔۔ میں آج اپنے ایک دوست کے طرف انوائٹیڈ ہوں."

ان کا جواب سن کر ایمل کو اپنے اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔اتنا تیار ہو کر آج وہ اپنے جذبے آزمانے آئی تھی پر پہلے ہی قدم پر اسے ناقدری کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔

"جہاں زیب بیٹا! یہ کوئی اچھی بات تو نہیں آج کا شان دو سال بعد پاکستان آیا ہے میں نے ایمل کو بھی بلایا تھا کہ سب مل کر کھانا کھائیں گے اور تم جا رہے ہو"

سفینہ بیگم نے بیٹے سے شکوہ کیا

"کم آن ماں! شان اب یہیں ہے اس نے کہاں جانا ہے اور ایمل کو آپ دونوں مجھ سے زیادہ اچھی کمپنی دو گے، آئی ایم شیور."

انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے جلدی جلدی کہا اور پھر سب کو خدا حافظ کہتے ہوئے چلے گئے ایمل کو سب کے بیچ ہوتے ہوئے بھی اپنا آپ بالکل تنہا لگا وہ مسکرا مسکرا کر کاشان اور سفینہ بیگم سے باتیں کرتی رہی پر گہری اداسی اس کے اندر اتر چکی تھی۔ کھانا بھی اس نے بد دلی سے کھایا۔اس کے بعد وہ جلد ہی وہاں سے واپس آگئی۔

****

اگلی صبح وہ آفس جانے کے لئے اپارٹمنٹ سے باہر آئی تو کاشان اپنے اپارٹمنٹ کے آگے ہی کھڑا تھا گرین ٹریک سوٹ میں کانوں میں ہینڈ فری لگائے ہوئے وہ بہت فریش لگ رہا تھا۔

"ہائے"

ایمل پر نظر پڑتے ہی وہ قریب چلا آیا

"السلام علیکم"

اس کے ہائے کہنے پر ایمل نے اسے سلام کیا اور لفٹ کی طرف بڑھ گئی

"اوہ۔۔۔سوری، وعلیکم السلام"

کاشان نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا اور اس کے پیچھے پیچھے لفٹ کی طرف چلا آیا

"یار تم تو بہت فاسٹ موو ہو، میں تو تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا"

لفٹ کال کرتی ایمل نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا "کیوں، کوئی خاص بات تھی۔ ابھی رات کو تو اتنی باتیں کی ہیں. "

"ہاں نا۔۔پر ایسا لگ رہا ہے کوئی بات ہی نہیں کی اس لئے اور باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے."

کاشان نے ایمل کے ساتھ لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے کہا

"سوری۔۔ابھی تو میں آفس جا رہی ہوں پھر کبھی کریں گے اور ویسے بھی میں اتنی اچھی باتیں نہیں کرتی بہتر ہے تم اپنا دل بہلانے کے لیے کسی اور سے دوستی کر لو. "

ایمل کو اس کی بے تکلفی بری طرح کھل رہی تھی "واہ بھئی، تمھاری تعریف سن سن کر میرے کان پک گئے اور تم کہتی ہو کسی اور سے دوستی کر لو، یہ تو اب نہیں ہو سکتا۔ دوستی میں ان سے کرتا ہوں جو مجھے اچھے لگتے ہیں اور تم مجھے بہت اچھی لگی ہو اس لئے دوستی تو تمہیں ہی مجھ سے کرنی ہو گی . "

کاشان کے بے ساختہ انداز پر ایمل کو ہنسی آ گئی لفٹ کا دروازہ کھل چکا تھا

"واہ، اچھی زبردستی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ اتنی تعریفیں کس نے کر ڈالیں تم سے میری. "

اس نے گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا

دادی نے اور سب سے زیادہ بابا نے ."

کاشان نے لہک کر جواب دیا۔ گاڑی کا دروازہ کھولتے اس کے ہاتھ چند لمحوں کو رک گئے تھے اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

مجھ سے تو کبھی کچھ نہیں کہا اور بیٹے سے اتنی تعریفیں کر ڈالیں یہ سوچتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی

"اچھا بتاؤ نا، پھر کب ملو گی."

کاشان نے کھڑکی میں جھکتے ہوئے پوچھا

"آفس سے آنے کے بعد."

ایمل نے عجلت میں جان چھڑانے کے لیے کہا اور گاڑی نکال کر لے گئی۔ پیچھے کاشان مسکراتی نظروں سے گاڑی جاتے دیکھتا رہا۔

****

آفس میں کام زیادہ ہونے کی وجہ سے واپسی میں ایمل کافی تھک گئی تھی اس لیے آتے ہیں عصر کی نماز پڑھی اور پھر سونے کے لئے لیٹ گئی اسے لیٹے ہوئے ابھی بمشکل آدھا گھنٹہ ہی ہوا ہو گا کہ گھنٹی کی آواز پر اسے انتہائی کوفت کے عالم میں اٹھنا پڑا۔اس نے دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے بندے کو دیکھ کر اس کی کوفت میں دگنا اضافہ ہو گیا۔کاشان سرخ گلابوں کا خوبصورت بو کے ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ایمل سوچ میں پڑ گئی کہ اسے اندر بلائے یا نہیں۔

"آپ کے ہاں مہمانوں کو ویلکم کرنے کا کوئی رواج نہیں."

ایمل نے دروازے کے سامنے سے ہٹ کر اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا اندر آتے ہی کاشان نے جھک کر اس کو بو کے پیش کیا جو اس نے مسکرا کر شکریہ ادا کرتے ہوئے لے لیا

"ہمم ۔۔۔تو یہ ہے جناب کا اپارٹمنٹ۔۔۔نائس۔۔۔اچھا ڈیکوریٹ کیا ہے . واؤ۔۔۔ اتنی ساری بکس۔۔۔لگتا ہے تمھارے اندر بھی باباوالی روح سمائی ہے"میجر صاحب کے ذکر پر ایمل کی دھڑکن بڑھ گئی کاشان کی اپنے اپارٹمنٹ میں موجود کی بھی اس نے میجر صاحب سے اس کی نسبت کی وجہ سے ہی برداشت کی تھی۔

"چائے پیو گے یا کافی."

"نہ چائے نہ کافی، میں تو تمہارے ہاتھ کا بنا ہوا قہوہ پینے آیا ہوں۔ایک روز بابا نے تمہارے ہاتھ کے بنے ہوئے قہوے کی بہت تعریف کی تھی."

کاشان صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا اور ایمل کچن کی طرف آ گئی۔

"اچھا۔۔۔ حیرت ہے، میرے سامنے تو میری تعریف کبھی نہیں کی تمھارے بابا نے"۔

ایمل کے لہجے میں شکوہ سا تھا

"اچھاء چلو کوئی بات نہیں میں کہوں گا ان سے اب وہ تمھاری تعریف میرے ساتھ ساتھ تمہارے سامنے بھی کیا کریں گے."

"کوئی ضرورت نہیں میری کوئی بھی بات اپنے بابا سے کرنے کی، تم یہ قہوہ پیو اور چلتے بنو یہاں سے "

ایمل نے کپ کاشان کو تھماتے ہوئے کہا

"یہ مہمان نوازی کا کونسا طریقہ ہے بھئی، اتنی بے مروتی تو لوگ یورپ میں بھی نہیں دکھاتے."

"یہ بے مروتی نہیں احتیاط پسندی ہے یورپین اور پاکستانی سوسائٹی کی اخلاقیات چینج ہیں۔یہاں لڑکا لڑکی کا ایک چھت کے نیچے ملنا پسند نہیں کیا جاتا ہے."

ایمل نے اسے رسان سے سمجھایا

"پر تم تو پاکستانی نہیں ہو، امریکہ میں تو یہ سب برا نہیں سمجھا جاتا."

"یہ ٹھیک ہے کہ مجھے یہاں شفٹ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا پر میرے فادر پاکستانی تھے ان کی وجہ سے میں یہاں کے تمام رسوم ورواج سے واقف ہوں اور بہت حد تک انہیں فالو بھی کرتی ہوں."

"ہوں۔۔۔تو اس کا مطلب بابا ٹھیک کہہ رہے تھے."

"کیا کہہ رہے تھے"

یہی کہ شاید تم میرے یہاں تنہا آنے کو پسند نہ کرو."

"بالکل صحیح۔۔۔تم ان سے سیکھا کرونا."

ان سے تو سیکھوں گا ہی پر اب بہت کچھ تم سے بھی سیکھنا پڑے گا."

اس کے لہجے میں شرارت سے تھی

"مثلاً؟"

"مثلاً یہی کے تمہیں یہاں کے کون سے رسوم ورواج پسند ہیں کون سے نہیں."

کاشان نے کپ خالی کر کے ٹیبل پر رکھا۔

"تمہیں میرے متعلق جاننے کی کیا ضرورت ہے؟"ایمل نے کچھ الجھتے ہوئے پوچھا.

"ہے نا ضرورت۔۔۔بالکل ہے۔اس سے مستقبل میں تعلقات نبھانے میں آسانی رہے گی"کاشان شرارت سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا.

"میں سمجھی نہیں"

ایمل کے ذہن میں کہیں دور ایک گھنٹی سی بجی تھی۔

"ابھی سے اپنے ننھے سے دماغ پر بوجھ نہ ڈالو آہستہ آہستہ سب سمجھ جاؤ گی۔اوکے چلتا ہوں."

یہ کہہ کر کاشان ہنستا مسکراتا چلا گیا پر ایمل کو کچھ اندیشوں میں مبتلا کر گیا۔مجھے جلد ہی میجر جہاں زیب سے بات کرنا ہو گی پر کب، کیسے۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا پھر اچانک ایک خیال آنے پر اس کے لب دھیرے سے مسکرا اٹھے

شام کے پانچ بجے اسلام آباد کی سڑکوں پر آفس ٹائم ختم ہونے کی وجہ سے خاصا رش تھا ایبٹ آباد سے آتے آتے میجر جہاں زیب کو خاصا ٹائم ہو گیا تھا ان کی گاڑی پارکنگ میں آکر رکی ہی تھی کہ فون بج اٹھا۔ایمل کی کال دیکھ کر وہ چونک اٹھے

"ہیلو۔۔۔وعلیکم السلام۔۔۔۔آئی ایم فائن۔۔۔ تھینکس۔۔۔۔ہاں،کیوں نہیں ، ویسے سب خیریت ہے نا۔۔۔ٹھیک ہے میں دو منٹ تک آتا ہوں"

****

جیسے ہی دروازے پر دستک ہوئی اس نے جلدی جلدی تمام فالتو چیزیں ٹیبل سے سمیٹ لیں اور دوپٹہ ٹھیک کرتی ہوئی دروازے تک آئی۔

"آیئے۔۔۔پلیز"

اس نے مسکراتے ہوئے میجر صاحب کا استقبال کیا"شکریہ "

اندر آتے ہی ان کی نظر سینٹر ٹیبل پر پڑی تو وہ حیرانگی سے پلٹے

"یہ سب کیا ہے بھئی."

ٹیبل پر کیک، گلاب کے پھول اور ایک بہت خوبصورت ہارٹ شیپ پنک کارڈ رکھا ہوا تھا

"آج میرا برتھ ڈے ہے"

اس نے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا

"مینی مینی ہیپی برتھ ڈے۔۔۔ویسے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے تم پہلے بتا دیتیں تو میں تمہارے لئے کوئی گفٹ لے کر آتا."

"آپ کا آنا ہی میرے لیے سب سے بڑا گفٹ ہے"

Visit us at. http://novelhinovel.com

اس کی اس بات پر میجر صاحب چند لمحے چپ کے چپ رہ گئے۔ایمل نے کیک کا پس کاٹ

کر سلیقہ سے پلیٹ میں رکھ کر میجر صاحب کی طرف بڑھایا

"ارے بھئی میری کمپنی میں تم کہاں انجوائے کروگی بہتر تھا تم کاشان کو بلا لیتیں."

"نہیں مجھے صرف آپ کو ہی بلانا تھا."

ایمل کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ تھی وہ اس کی بات اور مسکراہٹ پر کچھ الجھ سے

گئے

"کیوں..صرف مجھے ہی کیوں"۔

"کیونکہ میرے پاس آپ کے لئے کچھ ہے."

اس نے کارڈ کی طرف اشارہ کیا۔انھوں نے پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر کارڈ اٹھالیا۔اندر جو کچھ

لکھا تھا وہ ان کے ہوش اڑا دینے کے لئے کافی تھا

****

ساتھی میرے بن جاؤ وفادار اگر تم

سو بار میں جاں دوں کہو اک بار اگر تم

ہو جائے گی معلوم تمہیں ساری حقیقت

پڑھ لو میرے لکھے ہوئے اشعار اگر تم

میں راہ مصائب میں بھی سو بار چلوں گا

بن کر میرے ساتھی چلو ہر بار اگر تم

ہو جائے گی تعمیر نئی راہ محبت

مزدور بنوں گا ہوئے معمار اگر تم

خوبصورت اشعار میں ڈھلی اس کے دل کی بات پڑھ کر میجر صاحب نے حیرت اور بے یقینی سے ایمل کی طرف نگاہ اٹھائی اس کی نگاہیں حیا کے بار سے جھکی ہوئی تھیں۔

"ایمل ۔۔۔ یہ سب کیا ہے."

انہیں اپنی ہی آواز بہت دور سے آتی سنائی دی "مجھے تم سے اس بچکانہ حرکت کی توقع نہیں تھی"۔

کچھ نہ سمجھتے ہوئے ایمل نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"میں نے۔۔۔میں نے کبھی تمھارے لئے ایسے نہیں سوچا۔ تم مجھے بہت پسند ہو، اچھی لگتی ہو، بہت عزیز ہو مجھے پر یقین کرو میں تو ہمیشہ تمہیں تصور میں کاشان کے ساتھ کھڑا دیکھتا رہا

۔۔۔اف۔۔ بے وقوف لڑکی، یہ کیا کر دیا تم نے"

ان کی باتوں پر ایمل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کاشان کی جن باتوں کو وہ خطرے کی گھنٹی سمجھی تھی وہ میجر صاحب کی باتوں میں بم کی طرح پھٹیں۔ وہ دکھ سے ایمل کی طرف دیکھتے ہوئے جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، ایمل بھی ان کے ساتھ اٹھی پر شدت غم سے کچھ بول نہ سکی نہ ہی انھیں روک سکی ایک بار پھر اس کی بر تھ ڈے پر اس کی محبت موت کے گھاٹ اتر گئی تھی۔

****

"جہاں زیب."!

میجر صاحب کی کھانے سے بے رغبتی دیکھ کر سفینہ بیگم نے انہیں پکارا

"جی۔۔۔۔جی ماں."

میجر صاحب پلیٹ میں تھوڑے سے چاول نکال کر صرف ان میں چمچ گھما رہے تھے۔

دھیان ان کا کہیں اور تھا۔ماں کے پکارنے پر بری طرح چونک گئے۔

"کیا بات ہے بیٹے، آج بہت کھوئے کھوئے سے لگ رہے ہو کھانا بھی ٹھیک طرح نہیں کھا رہے کوئی پریشانی ہے کیا."

"نہیں ماں۔۔۔ایسی بات نہیں ہے۔۔۔میں ٹھیک ہوں، بس ویسے ہی کھانے کا موڈ نہیں بن رہا ." میجر صاحب نے اپنی کیفیت چھپائی

"ڈونٹ وری دادو، بابا اب بوڑھے ہو رہے ہیں اور بوڑھے لوگوں کو زیادہ بھوک نہیں لگتی"

کاشان نے شرارت سے باپ کی طرف دیکھا

"چل ہٹ کمینے، ابھی تو میں بوڑھی نہیں ہوئی تو پھر میرا اتنا خوبرو بیٹا کیسے بوڑھا ہو جائے گا"سفینہ بیگم نے تنک کر پوتے کو جواب دیا۔

"کیا بات ہے دادو آپ کی، پھر آپ اپنے خوبرو بیٹے کے لیے کوئی لڑکی کیوں نہیں ڈھونڈ تیں،ان کا اصل پرابلم تنہائی ہے."

کاشان کی اس بات پر میجر صاحب پہلو بدل کر رہ گئے۔ایک دم ایمل کا چہرہ ان کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔

"میں کیا کروں۔۔۔میں تو زمانوں سے کہہ رہی ہوں کہ شادی کر لو پر یہ میری سنے تب نا ،اب تمہیں سمجھا کر دیکھ لو شاید تمہاری مان لے."

سفینہ بیگم نے پیار سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"کیوں بابا کیا خیال ہے،ڈھونڈیں پھر آپ کے لیے کوئی لڑکی۔ بہتر ہے آپ میری شادی سے پہلے ہی شادی کر لیں کیونکہ بعد میں کریں گے تو پھر میری فیری پر آپ کا کوئی اچھا امپریشن نہیں پڑے گا"

کاشان کا لہجہ شرارت سے بھرپور تھا۔

"سٹاپ اٹ۔۔۔لیو دس ٹاپک."

میجر صاحب جھٹکے سے اٹھے اور غصے میں کہتے ہوئے چلے گئے۔ کھانے کی میز پر بیٹھے دادی پوتا نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور آہستہ سے اپنی اپنی پلیٹوں پر جھک گئے دونوں کے لیے میجر صاحب کا رویہ مبہم تھا۔ آج سے پہلے وہ کبھی ماں بیٹے کے ساتھ اس موضوع پر تلخ نہیں ہوئے تھے۔

****

ایمل کے سامنے اس کی دنیا اندھیر ہو چکی تھی میجر صاحب کے جانے کے بعد سے وہ سخت اذیت اور تکلیف میں تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا۔اس کے دکھ سمیٹنے والا شخص اس کے نازک جذبوں کو یوں کرچی کرچی کر جائے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ نارسائی کا کرب اور محبت میں ناکامی کی اذیت اس کے وجود میں اتر گئی ۔ صبح تک رو رو کر اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں۔ جس وقت شہرین کا فون آیا وہ تیز بخار میں پھنک رہی تھی ساتویں آٹھویں گھنٹی پر اس نے فون اٹھایا

"شہرین۔۔۔پلیز۔۔۔یہاں آجاؤ."

یہ کہ کر ایمل پھوٹ پھوٹ کر رو دی

"ایمل۔۔۔ایمل کیا ہوا ہے۔۔۔تم ٹھیک تو ہو۔۔۔اچھا۔۔۔اچھا روؤ نہیں، میں آ رہی ہوں، تم گھبراؤ نہیں بس میں ابھی آ رہی ہوں."

ایمل کے رونے پر شہرین گھبرا گئی اور اس کے پیچھے کھڑی رخسانہ آنٹی بھی اور پھر کچھ ہی دیر میں دونوں ایمل کے پاس پہنچ گئیں۔

****

"جہاں زیب میں کل سے دیکھ رہی ہوں بیٹے کہ تم پریشان ہو، تمہاری آنکھوں کی سرخی بتا رہی ہے کہ کوئی بات ایسی ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے اب کیا ماں کو بھی نہیں بتاؤ گے."

سفینہ بیگم نے میجر صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھا وہ ان کے کمرے میں انہیں چائے کے لیے بلانے آئی تھیں۔

"کیا بتاؤں ماں آپ کو، کچھ بھی نہیں ہے."

ان کی نظریں دور خلاؤں میں کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔

"نہیں بیٹے کچھ تو ہے اب اگر تم بتانا نہ چاہو تو یہ اور بات ہے."

"آپ جانتی ہیں ماں کہ میں آپ سے کچھ نہیں چھپا سکتا۔ بات یہ ہے کہ " ....

اور پھر انہوں نے سب کچھ سفینہ بیگم کو بتا دیا کچھ دیر ماں بیٹے کے درمیان خاموشی حائل رہی پھر سفینہ بیگم نے میجر صاحب کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

" تمہیں کیا لگتا ہے جہاں زیب ! تم نے ایمل کے ساتھ صحیح کیا."

"میں سمجھا نہیں ماں"

"بیٹے وہ تو پہلے ہی محبت میں دکھ اٹھائے ہوئے تھی۔ تم اس کے دکھوں میں اور اضافہ کر آئے "سفینہ بیگم کو ایمل کا دکھ اپنے دل میں محسوس ہو رہا تھا۔

"اس بات کا مجھے بھی افسوس ہے ماں پر آپ ہی بتائیں میں کیا کرتا وہاں ایک انتہائی اوڈ سچویشن تھی میرے لئے اور پھر میرا اور اس کا کیا جوڑ بنتا ہے."

"جوڑ بنانے والی ذات تو میرے رب کی ہے بیٹے، ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم خود ساختہ جوڑے اپنے ذہنوں میں بنا کر حقیقت میں ان کے ہونے پر اصرار کرتے ہیں تم نے یہ کیوں سوچ لیا کہ تم جو کاشان کے ساتھ اسے تصور میں کھڑا دیکھ رہے ہو تو حقیقت میں بھی وہ اس کا ساتھ قبول کرے گی وہ ایک جیتی جاگتی انسان ہے جہاں زیب اس کے بھی

جذبات ہیں پسند ناپسند کا حق اسے بھی حاصل ہے تم نے ایک دفعہ بھی جاننے کی کوشش کی کہ اس کے دل پر کیا گزری ہو گی."

میجر صاحب نے کچھ شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا

****

ایمل کی جسمانی حالت کافی حد تک سنبھل چکی تھی مگر اس کی ذہنی حالت ابھی بھی خاصی ابتر تھی اقبال صاحب ،رخسانہ آنٹی اور شہرین تینوں اس کے لیے فکر مند تھے۔شہرین اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی تھی پر اس نے جو چپ کا روزہ رکھا تھا وہ ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ایک بار محبت میں ناکامی کا منہ دیکھنے کے بعد اسے کسی اور کی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔زندگی ایک بار پھر اس کے ساتھ مذاق کر چکی تھی اب دور دور تک اس کے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا تھا ایسے میں اس نے اپنے لیے ایک فیصلہ کیا اور اقبال صاحب کے پاس آگئی وہ اپنے بیڈ روم میں آفس جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

"آؤ بیٹا، ٹھیک ہو، اب طبیعت کیسی ہے."

انہوں نے اسے دیکھ کر پیار سے پوچھا

"میں ٹھیک ہوں انکل۔۔۔وہ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی."

"ہاں ہاں۔۔۔ کہو۔۔۔بلکہ پہلے تم ایسا کرو بیٹھ جاؤ پھر آرام سے بات کرتے ہیں."

انہوں نے اس کی طبیعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے صوفے کی طرف اشارہ کیا

"انکل میں واپس جانا چاہتی ہوں"

تھوڑی طبیعت اور سنبھل جائے تو چلی جانا ابھی کچھ دن اور ہمارے پاس رہ کر آرام کر لو".

"انکل میں مارگلہ ٹاور جانے کی بات نہیں کر رہی ہوں میں نیویارک واپس جانا چاہتی ہوں."

اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنساتے ہوئے کہا

"واٹ۔۔۔یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹا."

ایمل کی بات سن کر انہیں شدید حیرت ہوئی تھی "وہاں جا کر تم کیا کرو گی اور اب ہے ہی کون وہاں پر"

"یہ ٹھیک ہے انکل کہ اب میرا وہاں پر کوئی نہیں پر میرا گھر ہے پاپا کا اسٹور ہے میں اب اپنی پراپرٹی خود سنبھالوں گی."

"ایمل بیٹے! تمہارے ساتھ ایسا کیا ہوا ہے کہ تمہارا یہاں سے دل ہی اچاٹ ہو گیا تم تو بہت خوش تھی یہاں، اپنے انکل کو بھی نہیں بتاؤں گی."

انہوں نے پیار سے ایمل کے سر پر ہاتھ رکھا۔ایمل نے بہت مشکل سے اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکا۔

"میں آپ کو کیا بتاؤں انکل، ایسی کوئی بات ہی نہیں۔بس مجھے پاپا اور اپنا گھر بہت یاد آرہے ہیں مجھے لگتا ہے میں مزید یہاں نہیں رہ سکوں گی۔آپ پلیز میری ٹکٹ ارینج کروا دیں."

"ایمل فرہاد کا اور میرا تعلق سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر تھا میں اسکی اور تمہاری زندگی کے ہر دکھ سے آشنا تھا اسی لیے اس نے مرنے سے پہلے تمہاری ذمہ داری مجھے سونپ دی

تھی۔ میں تمہیں واپس بھیج کر فرہاد کی روح سے شرمندہ نہیں ہو سکتا تم میرے لئے شہرین سے کم نہیں ہو۔

تمہاری۔۔۔ صرف تمہاری خوشی کے لئے میں نے تمہیں مارگلہ ٹاور میں رہنے کی اجازت دے دی تھی ورنہ میرے گھر میں اور میرے دل میں تمہارے لئے کمی نہیں ہے."

ایمل نے ممنونیت سے اقبال صاحب کی طرف دیکھا ان کی بات سے اسے احساس ہوا کہ ابھی دنیا میں ایک سائبان اس کے لئے باقی ہے۔

"تھینک یو انکل۔۔۔ مگر"

"اگر مگر کچھ نہیں تم امریکہ جانا چاہتی ہو شوق سے جاؤ مگر چند دن گھوم پھر کر واپس آ جانا."

ایمل نے شش و پنج کی کیفیت میں کچھ سوچا اور پھر حامی بھر لی.

****

آتے جاتے میجر جہانزیب کی نظر ایمل کے اپارٹمنٹ کے بند دروازے پر پڑتی تو ان کا دل جیسے کوئی مٹھی میں لے لیتا۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ وہ جا چکی ہے شکیل نے اسے انتہائی نڈھال حالت میں شہرین اور اس کی والدہ کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

"آخر وہ کہاں جاسکتی ہے دادو، فون بھی ریسیو نہیں کر رہی، آپ کو کچھ تو پتہ ہو گا، بابا بھی کچھ نہیں بتاتے اور آپ بھی آخر ایسا کیا ہو گیا کہ وہ اچانک سب کچھ چھوڑ کر چلی گئی."

میجر صاحب گھر میں داخل ہوئے تو کاشان کی آواز کانوں میں پڑی

"بیٹا میں کیا بتاؤں کہ وہ کہاں چلی گئی۔ جانے سے پہلے وہ مجھ سے ملی ہوتی تو میں کچھ بتاتی". سفینہ بیگم نے پوتے سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا

میجر صاحب چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

"اور یہ بابا کو کیا ہو گیا ہے دادو، اتنے خاموش کیوں رہنے لگے ہیں."

کاشان کے اس سوال کا وہ کوئی جواب نہ دے سکیں۔ وہ جھنجھلا کر میجر صاحب کے کمرے میں آ گیا وہ کمرے میں نہیں تھے باتھ روم سے شاور کی آواز آ رہی تھی۔ وہ وہیں ان کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ آج وہ ایمل کے متعلق ان سے تفصیلی بات کرنا چاہ رہا تھا وقت گزاری کے

لیےاس نے سائیڈ ٹیبل سے کتاب اٹھالی۔صفحے الٹتے پلٹتےاس کی نظر پنک ہارٹ شیپ کارڈ پرپڑی وہ کارڈ اس روز میجر صاحب ہاتھ میں پکڑے پکڑے ہی گھر آ گئے تھے۔اس پر لکھاایمل کانام دیکھ کر کاشان چونک گیااور جب اس نے اندر لکھی ہوئی تحریر پڑھی تو اسے اپنے آس پاس کی ہر چیز گھومتی محسوس ہوئی۔وہ چپ چاپ اٹھااور کارڈ لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

****

ڈنر کے دوران وہ بہت خاموش تھا یہ بات سفینہ بیگم اور میجر جہاں زیب دونوں نے محسوس کی،ورنہ وہ تو چپ رہنا جانتا ہی نہ تھا ہر وقت باتیں کرتا رہتا،گھر میں رونق لگائے رکھتا کھانا کھانے کے بعد میجر جہاں زیب اپنے کمرے میں آئے تو وہ بھی ان کے پیچھے آ گیا

"مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے بابا."

"یار میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں نہیں جانتا وہ کہاں ہے"۔

وہ سمجھے شاید اب بھی وہ ایمل کے بارے میں ہی پوچھنے آیا ہے۔

"میں اس کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔یہ کیا ہے؟."

اس نے کمر کے پیچھے ہاتھ میں پکڑا ہوا کارڈ ان کے سامنے کیا۔ کارڈ دیکھ کر سگار سلگاتے ان کے ہاتھ لائٹر بند کرنا بھول گئے۔

"یہ۔۔۔یہ تمہیں کہاں سے ملا" انہوں نے کانپتے ہاتھ سے لمبا کش لے کر سگار منہ سے نکالا۔

"اس بات کو چھوڑیں، یہ بتائیں کہ اگر آپ دونوں کے درمیان ایسا کچھ تھا تو آپ نے مجھے اندھیرے میں کیوں رکھا."

اس کی آواز میں شکوہ ہی شکوہ تھا۔ میجر صاحب نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا

"میرے اور اس کے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں تھا."

وہ بیٹے کو جواب دینے پر مجبور تھے کیونکہ اس کے دل میں ایمل کا خیال انہوں نے خود ڈالا تھا

"یہ صرف اور صرف اس کے یک طرفہ جذبات ہیں""" اگر واقعی ایسا ہے تو اس کے جانے کے بعد سے آپ اتنے اپ سیٹ کیوں ہیں، آپ کے لب خاموش ہیں، آپ کی آنکھوں میں دکھ ہے، آپ کی چال بھی سست ہے، کیوں بابا۔۔۔ اخر ایسا کیوں؟."

ان کا بیٹا حقیقت کے آئینے میں انہیں ان کی تصویر دکھا رہا تھا۔

'بابا! ایمل میرے لیے وہ خیال تھی جو آپ نے میرے دل میں ڈالا تھا آگر آپ فئیر تھے تو میرا خیال اس کے دل میں کیوں نہیں ڈالا."

وہ آہستہ آہستہ چلتے اس کے قریب آئے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا

"وہ محبت میں بے وفائی کا دکھ اٹھا چکی تھی۔ خیالی محبت سے اسے بہلایا نہیں جا سکتا تھا میں نے اسے کبھی ایسا کوئی خواب نہیں دکھایا جس کی روشنی میں وہ میری محبت کے راستے پر چل پڑتی۔ وہ تنہا بے وقوف لڑکی میری تھوڑی سی مسیحائی کو بہت سمجھ بیٹھی."

"میں اس کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں" اس نے باپ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ انہوں نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا اور ایمل کی ساری کہانی کاشان کو سنا دی۔

****

"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں."

میسج سینڈ کر کے وہ جواب کے انتظار میں تھی """اوکے۔۔۔ کہاں؟ "

جلد ہی اسے جواب مل گیا اس نے آدھے گھنٹے بعد انہیں اپنے مارگلہ ٹاور والے اپارٹمنٹ میں ہی بلایا۔

وہ نیویارک جانے سے پہلے ایک بار ان سے ملنا چاہتی تھی اپارٹمنٹ میں آنے کے تھوڑی دیر بعد ہی ڈور بیل بجی۔ دروازہ کھولا تو وھائیٹ شلوار قمیض پر براؤن مردانہ شال کاندھوں پر ڈالے اپنی سنجیدہ شخصیت کے ساتھ وہ اس کے سامنے موجود تھے اس نے انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔ کچھ دیر دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر بات کا آغاز ایمل نے کیا "میں نے آپ کو یہ بتانے کے لئے بلایا تھا کہ میں آج رات واپس نیویارک جا رہی ہوں پھر کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔ جانے سے پہلے آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ نے مجھے کیا سمجھا؟. ایک کٹھ پتلی کہ جس کی ڈور ہلائی اور جب جس کے ساتھ دل چاہا اس کے ساتھ کر دیا یا کوئی جذبات سے عاری کھلونا, اٹھایا اور بچے کا دل بہلانے کے لیے اسے دے دیا."

میجر صاحب نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے پھر سختی سے بھینچ لیے۔ انہوں نے بہتر جانا کہ وہ پہلے اپنے دل کا غبار نکال لے۔

"آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟. آپ مجھے قبول نہ کرتے تو شاید مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا میں سمجھ لیتی کہ میرے جذبوں میں اپنا آپ منوانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے پر خود ہی فیصلہ کر کے خود ہی مجھے کسی اور کے ساتھ کیوں جوڑ دیا میری ذات آپ کی نظر میں کچھ بھی نہیں تھی۔ آپ تو سب کچھ جانتے تھے ایک لمحے کے لئے بھی آپ نے یہ نہیں سوچا کہ آپ کی یہ بات میرے دل کو کتنا دکھائے گی."

شدت جذبات سے ایمل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے "بس کہہ چکیں جو کہنا تھا اب جس طرح میں نے تمہیں سنا تم بھی مجھے سننا اور پھر صحیح غلط کا فیصلہ کرنا."

انھوں نے اپنی جیب سے رومال نکال کر ایمل کی طرف بڑھایا

"میں تمہارے لئے دکھ کا باعث بنا اس کا مجھے افسوس ہے پر ابھی تم نے ایک بات کہی کہ میں نے تمہیں خود ہی کسی کے ساتھ کیوں جوڑ دیا۔ تم مجھے بتاؤ، تم نے خود ہی مجھے اپنے ساتھ کیوں جوڑ لیا، میں نے کب کہاں تمہیں اپنی طرف آنے کی راہ دکھائی۔ جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تو تمہاری آنکھیں اور مسکراہٹ مجھے بالکل اس پری جیسی لگیں جس کی کہانی میں بچپن میں کاشان کو سناتا تھا۔ اس پری کی آنکھیں سبز تھیں اور وہ اپنی

مسکراہٹ سے لوگوں پر سحر پھونکتی تھی کاشان چھ سال کا تھا جب اس کی ماں کی ڈیتھ ہوئی۔وہ رات میں ماں کے لیے بے چین ہوتا تھا تب میں نے اسے یہ کہانی سنانا شروع کی ۔وہ کہانی تمہاری ذات کو کاشان سے متعارف کرانے کا بہانہ بن گئی اس کے بعد جب بھی میری شان سے بات ہوتی وہ تمہارا ضرور پوچھتا تھا۔ تمہیں میں نے اس کے بارے میں کچھ اس لیے نہیں بتایا کہ میں چاہتا تھا کہ تم اس سے مل کر خود فیصلہ کرو مگر اس سے پہلے ہی تم میرے لئے سوچو گی یہ تو میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا جب کہ میں تمہیں بتا چکا تھا کہ میری محبت تہمینہ کے ساتھ ہی مر گئی ہے۔"

"پر آپ نے یہ بھی تو کہا تھا کہ کسی کی محبت آپ کے لئے اتنی طاقتور ہوئی تو اپنا آپ منوا لے گی"۔

انھوں نے دکھ سے اس کی طرف دیکھا

"اب میں تمہاری اس بات کا کیا جواب دوں کہیں ایک بار پھر تمہارا دل نہ ٹوٹ جائے۔"

ان کی اس بات نے ایمل کو سمجھا دیا کہ اس کی محبت اپنا بھرم کھو چکی ہے۔

"تم جارہی ہو, میں تمہیں روکنے کا حق نہیں رکھتا , مگر جانے انجانے میں جو تکلیف تمہیں مجھ سے پہنچی ہے اس کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں سوری."

یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے وہ بھی ان کے ساتھ ہی اٹھ گئی اور جب دونوں اپارٹمنٹ سے باہر آئے تو اسی وقت لفٹ سے کاشان باہر آیا۔ایک دوسرے کو دیکھ کر تینوں ہی اپنی جگہ جیسے جم سے گئے کاشان کو اپنا وجود وہاں انتہائی غیر ضروری لگا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا اپنے اپارٹمنٹ میں چلا گیا

****

میجر صاحب اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے تو سفینہ بیگم سامنے ہی لاؤنج میں بیٹھی ان کی منتظر تھیں جس وقت ایمل کا میسج آیا تھا میجر صاحب سفینہ بیگم کے ساتھ ہی تھے۔

"جہاں زیب."

میجر صاحب کترا کر نکل جانا چاہتے تھے۔

"جی ماں."

انھوں نے پیچھے مڑے بغیر جواب دیا۔

"تم نے بتایا نہیں بیٹے، کیا بات ہوئی."

"وہ آج رات نیویارک واپس جارہی ہے ماں, ہمیشہ ہمیشہ کے لئے."

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے اور سفینہ بیگم کی نگاہیں بہت دیر تک بند دروازے پر جمی رہیں۔ میجر صاحب کے الفاظ اپنے کمرے کے کھلے دروازے سے کاشان نے باآسانی سن لیے تھے۔

****

نہ جانے کتنی دیر سے وہ غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے ان کے مخصوص سگار کی خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایک عجیب سا احساس ان کے پورے وجود پر چھایا ہوا تھا وہ خود سے لڑتے لڑتے تھک گئے تھے۔ وہ اسے صاف صاف بتا آئے تھے کہ اس کی محبت میں وہ پاور نہیں ہے جو ان کا دل جیت لے تو پھر اب دل اس کے لیے دکھی کیوں ہو رہا تھا ایک بے نام سی اذیت ان کا دل کیوں تڑپا رہی تھی ان لمحوں میں انھیں احساس ہو رہا تھا کہ کسی کی محبت کو رد کر دینا اتنا بھی آسان نہیں۔ اسی لمحے دروازے پر ہونے والی دستک نے انہیں چونکا دیا

"کاشان تم۔۔۔۔آؤ بیٹا."

وہ دھیرے دھیرے چلتا آیا اور صوفے کے پاس ان کے قدموں میں بیٹھ گیا "ارے۔۔۔
یہ کیا کر رہے ہو یار، ادھر میرے ساتھ بیٹھو."

پر وہ اپنی جگہ سے ہلا نہیں، نیچے بیٹھا رہا

"بابا ! میں آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں، منع تو نہیں کریں گے."

"بیٹے میرے بس میں ہوا تو ضرور۔۔۔بولو کیا چاہیے."

انہوں نے اس کے بازوؤں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" بابا آپ ایمل کو روک لیں"اس کی
بات سن کر انھوں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ جلدی سے بول اٹھا

"بابا یہ میں اپنے لیے نہیں کہہ رہا، یہ میں آپ کے لئے کہہ رہا ہوں، بابا آپ اپنے لئے
اسے روک لیں."

اس کی آنکھوں میں التجاء سی تھی

"بابا اپ کب تک تنہا رہیں گے آپ کو ایک محبت کرنے والے ساتھی کی بہت ضرورت ہے اور وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے۔ بابا میرے دل میں اس لئے کچھ نہیں ہے کیونکہ یہ وہ فیری ہے ہی نہیں جس کی کہانی آپ مجھے سنایا کرتے تھے."

"تم غلط سمجھ رہے ہو بیٹے شاید تم ہم دونوں کو ساتھ دیکھ کر بدگمان ہو، میرا یقین کرو میں نے ایمل کو کبھی بھی خود سے جوڑ کر نہیں دیکھا"۔

"میں بدگمان نہیں ہوں بابا، مجھے آپ پر یقین ہے پر آپ جو چاہ رہے تھے وہ نہیں ہو سکتا اور پھر مجھے تو یہاں رہنا ہی نہیں ہے وہاں انگلینڈ میں میری دوست سمیرا میری منتظر ہے مجھے بہت چاہتی ہے۔ میں خود بھی اس میں انوالو ہو جاتا جو آپ مجھے سبز آنکھوں والی فیری کے چکر میں نہ الجھا دیتے."

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو کاشان، آج سے پہلے تم نے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا."

انہوں نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسا کوئی موقع ہی نہیں آیا بابا کہ میں آپ سے ذکر کرتا لیکن آج اس بات کو چھپا کر میں سیلفش نہیں ہو سکتا۔ آپ ایمل کو روک لیں بابا پلیز، اسے اس کی محبت ملنی چاہیے۔ پہلے

وہ اپنی ماں کی وجہ سے محبت سے محروم ہوئی مگر اب آپ کے بیٹے کی وجہ سے اس کی محبت نہیں چھیننی چاہیے."

اس نے ان کے دونوں گھٹنوں پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

"پلیز بابا..."اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ اب وہ انکار نہیں کر سکیں گے۔ان کے دل پر دھرا ایک بوجھ سا ہٹا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیئے۔

****

اقبال صاحب سے اپنی پراپرٹی کے متعلق ہدایات اور اپنا خیال رکھنے کی نصیحت سن کر وہ رخسانہ آنٹی سے ملی انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا کر ڈھیروں دعائیں دیں پھر وہ شہرین کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر ایئرپورٹ کی طرف چل دی۔راستے میں مارگلہ ٹاور کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں ایئرپورٹ پہنچ کر اس نے اپنا سامان ٹرالی میں رکھا۔شہرین نے اس سے جلد واپس آنے کا وعدہ لیا تو ایمل دکھی دل سے مسکرا دی۔بورڈنگ پاس لے کر اس نے اپنا سامان ایئرلائن کے عملے کے حوالے کیا اور خود ہینڈ کیری لے کر ڈیپارچر لاؤنج کی طرف آ گئی۔فلائٹ کی روانگی میں ابھی وقت باقی تھا وہ

ایک سائیڈ پر لگی کافی ساری سیٹوں میں سے ایک سیٹ پر آ بیٹھی۔ بڑے بڑے شیشوں کے پار رن وے کا منظر دیکھتے ہوئے اس کا ذہن نہ جانے کن سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ اسے احساس بھی نہ ہوا کوئی چپکے سے اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا ہے۔ مخصوص سگار کی خوشبو محسوس کر کے اس نے اپنے دائیں طرف نظر گھما کر ساتھ بیٹھے شخص کو دیکھا تو پھر دیکھتی رہ گئی۔

"آپ۔۔۔۔یہاں "

اس نے بے یقینی سے میجر صاحب کو دیکھا۔وہ اسے دیکھ کر مسکرائے تو اسے یاد آگیا کہ کس بے دردی سے وہ اس کا دل توڑ گئے تھے

"اب کیوں آئے ہیں یہاں."

اس نے نم آنکھوں سے شکوہ کیا

"میرا یہاں موجود ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ تمہاری پاورفل محبت اپنا آپ منوا چکی ہے اب تم اکیلے نیویارک نہیں جاؤ گی ہم دونوں ساتھ جائیں گے"۔

اسے لگا کہ جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے "سچ"

اس نے بے یقینی سے پوچھا تو انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر یقین دلاتے ہوئے کہا

" بالکل سچ۔۔۔ لیکن ابھی نہیں کچھ دنوں بعد". انہوں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ کھل کر مسکرا دی تب پہلی بار میجر جہاں زیب کو لگا کہ سبز آنکھوں والی پری کی مسکراہٹ ان کے دل پر سحر پھونک رہی ہے۔

ختم شد

Novel Hi Novel

السلام علیکم !

ناول ہی ناول آپ کے لیے لایا ایک سنہری موقع

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنے قلم کی آواز کو لوگوں تک پہچانا چاہتے ہیں، تو اپنی لکھی گئی کوئی بھی تحریر (حمد، نعت، ناول، افسانہ، آرٹیکل، ریسیپی، نظم، غزل، اقوال) یا جو بھی آپ کے ذہن میں ہو اور آپ لکھنا چاہتے ہیں، ہم تک پہچائیں۔ ناول ہی ناول بنے گا وہ سیڑھی جو آپ کو آپ کی پسندیدہ ویب سائیٹ تک پہنچانے کا ذریعہ بنے گا۔ اگر آپ اپنی تحریریں ناول ہی ناول کی ویب سائیٹ یا "صداقت آن لائن ڈائجسٹ، صائمہ آن لائن ڈائجسٹ یا سپر ریڈنگ میٹریل میں بھی دینا چاہتے ہیں تو بھی رابطہ کریں۔ ناول ہی ناول آپ کو آپ کے عین مطابق پلیٹ فارم مہیا کر رہا ہے تو جلدی سے قلم اٹھائیں اور لکھ ڈالیں جو آپ کے ذہن میں مرکوز ہے۔ شکریہ !

اپنی تحریریں ہمیں اس پتہ پر ارسال کریں۔

Www.NovelHiNovel.Com

NovelHiNovel

NovelHiNovel@Gmail.Com

Support@NovelHiNovel.Com

03155734959

ختم شُد

اگلا ناول صرف ناول ہی ناول پر

Www.NovelHiNovel.Com

Novel Hi Novel

السلام علیکم !

ناول ہی ناول آپ کے لیے لایا ایک سنہری موقع

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنے قلم کی آواز کو لوگوں تک پہچانا چاہتے ہیں، تو اپنی لکھی گئی کوئی بھی تحریر (حمد، نعت، ناول، افسانہ، آرٹیکل، ریسیپی، نظم، غزل، اقوال) یا جو بھی آپ کے ذہن میں ہو اور آپ لکھنا چاہتے ہیں، ہم تک پہچائیں۔ ناول ہی ناول بنے گا وہ سیڑھی جو آپ کو آپ کی پسندیدہ ویب سائیٹ تک پہنچانے کا ذریعہ بنے گا۔ اگر آپ اپنی تحریریں ناول ہی ناول کی ویب سائیٹ یا "صداقت آن لائن ڈائجسٹ، صائمہ آن لائن ڈائجسٹ یا سپر ریڈنگ میٹریل میں بھی دینا چاہتے ہیں تو بھی رابطہ کریں۔ ناول ہی ناول آپ کو آپ کے عین مطابق پلیٹ فارم مہیا کر رہا ہے تو جلدی سے قلم اٹھائیں اور لکھ ڈالیں جو آپ کے ذہن میں مرکوز ہے۔ شکریہ !

اپنی تحریریں ہمیں اس پتہ پر ارسال کریں۔

Www.NovelHiNovel.Com

NovelHiNovel

NovelHiNovel@Gmail.Com

Support@NovelHiNovel.Com

03155734959